مہندر پرتاپ چاند

جاتے ہوئے لمحو!

...جاتے ہوئے لمحو!

(شعری مجموعہ)

مہندر پرتاپ چاند

ناشر

امرت پرکاشن

شاہدرہ، دِلّی۔110032

اب اسی بحر میں، یہ مخبون محذوف مثالیں ملاحظہ کیجئے'' (ہمیں سے اپنے گُنہ کا ثبوت مانگے ہے/ مری انا کا وہ اتنا خیال رکھتا ہے/ وہ جس کو اپنی کہانی سنا رہا ہوں میں/ پھر اس کے بعد مہکتے گلاب دیتا ہے/ متاعِ غم کو بچا رکھ، چھپا کے سینے میں/ اُسی نے آگ لگائی ہے ساری بستی میں/ پرائی ہو گئیں اَب اُس دیار کی گلیاں)''۔

یہ سچ ہے، چاندؔ! شگفتہ غزل جو کہنی ہو
قلم کو خونِ جگر میں ڈبونا پڑتا ہے

اسی بحر میں، چاندؔ کی بہت سی غزلیں مخبون ابتر کے زحافات میں ہیں، مثلاً: ''(یہ کون پچھلے پہر یوں پکارتا ہے مجھے/ جہاں کے سامنے اونچا مرا وقار کیا/ بھرے جہاں میں جو میرا ہی انتخاب کیا/ تری عطاؤں کا یا رب! کوئی شمار نہیں/ کھلے ہیں پھول تو آنگن میں ہر برس کی طرح)''۔

کھلے ہیں پھول تو آنگن میں ہر برس کی طرح
بھرا پُرا سا جو لگتا تھا، اب وہ گھر ہی نہیں!

بحرِ مُجتَث کے بعد، چاندؔ کی پسندیدہ بحر، ہزج ہے (بنیادی رکن: مَ فا عی لُن) گو اس کی سالم صورت میں کوئی غزل نظر نہیں آتی ہے، ہاں مثمن، مکفوف، محذوف/ مَف عُول، مَ فا عی ل، مَ فا عی ل، فَ عولُن'' اور مثمن اَشتَر مقبوض، مقبوض مخنق مقبوض/ فا عِ لُن، مَ فا عی لُن، فا عِ لُن، مَ فا عی لُن میں بالترتیب یہ مثالیں ملاحظہ کیجئے: ''(اے چاندؔ! نئے پن کا یہ انداز مبارک/ کچھ غیر سا ہے اب کے ہواؤں کا چلن بھی/ کسی کو یہ خبر تھی کہ بکھر جائیں گے پل میں)'' من کے سونے آنگن میں جب کوئی اترتا ہے/ جو بھنور سے نکلے گا بحرِ زندگانی میں/ بجلیوں کے سائے میں آشیاں بنانا ہے)''۔

آنسوؤں کے سانچے میں درد جب بھی ڈھلتا ہے
پھر کسی بھی پہلو سے دل کہاں سنبھلتا ہے!

اس بحر کی یہ ایک شرط ہے کہ تقطیع میں، مصرع کے دونوں ٹکڑے یوں برابر ہوں کہ ''فا عِ لُن، مَ فا عی لُن'' کے لئے کوئی لفظ توڑنا نہ پڑے۔ چاندؔ اس شرط کی پذیرائی کرتا ہے، مثلاً اس مطلع

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

عوام کو جو دیے تم نے، ووٹ مانگتے وقت
رہا نہ پاس تمہیں اُن سنہرے وعدوں کا!
بجائے امن، اٹھاتے ہو نت نئے فتنے
کھُلا ہے پول تمہارے چھپے ارادوں کا

○

تھے سبز باغ تمہارے تمام قول و قرار
وہ وعدے مہر و وفا کے، وہ جذبۂ ایثار
یہ اقتدار کا نشہ، یہ مال و زر کا خمار
تمہارے سازشی ذہنوں پہ ہوگیا ہے سوار

○

کبھی تو کوستا ہو گا تمہیں تمہارا ضمیر
کبھی تو پوچھتا ہو گا یہ کیسی خدمت ہے؟
تمہیں بتاؤ زرا قوم کے نگہ بانو!
اسی کا نام شرافت ہے، آدمیت ہے؟؟

جانباز کلپنا چاؤلہ کی نذر

(جو یکم فروری ۲۰۰۳ء کو فضاؤں میں گم ہو کر امر ہو گئی)

مادرِ ہند کی لاڈلی کلپنا!
قافلہ راہِ منزل میں تیرا لُٹا
ہو گئی تو نگاہوں سے اوجھل، مگر
ثبت دل پر رہے گا ترا نقشِ پا

○

تُو عزائم میں اپنی تھی ثابت قدم
تھی سفیرِ ضیا کُل جہاں کے لیے
تجھ کو دُھن تھی خلاؤں کی تحقیق کی
ہو گئی وقف تُو آسماں کے لیے

○

قابلِ فخر ہیں کارنامے ترے
لائقِ آفریں تیرے ماتا پتا
تُو ستاروں میں جاکر ستارہ بنی
سر وطن کا زمانے میں اونچا کیا

○

اللہ اللہ تری عرش پیمائیاں
نقش جن کا فضاؤں میں ہے آج بھی
تُو خلاؤں میں گم ہو گئی ہے مگر
تیری خوشبو ہواؤں میں ہے آج بھی

○

جذبۂ خدمتِ خلق جن کو ملا
آرزو اپنے سکھ کی وہ کرتے نہیں
جان دیتے ہیں جو دوسروں کے لیے
مر کے بھی وہ کبھی چاندؔ! مرتے نہیں

میری میڈم

(بچوں کے لیے)

کتنی اچھی میری میڈم!
من کی سچی میری میڈم
کتنے جی سے ہمیں پڑھاتی
اک اک بات ہے وہ سمجھاتی
میٹھا میٹھا بولتی ہے وہ
کانوں میں رس گھولتی ہے وہ
سب بچے ہیں اُس کو پیارے
ہم سب اُس کی آنکھ کے تارے

○

کبھی کبھی وہ ڈانٹ پلائے
پھر بھی سب کے من کو بھائے
ہم سب اس کا آدر کرتے
ہم سب ہیں اس کا دم بھرتے

اس کے سایے میں راحت ہے
اُس کے قدموں میں جنت ہے

○

سب کے من کی خواہش بن کر
سایہ دے ہے سر پر تَن کر
ساری عمر یہی گُن گائیں
مِلیں ہمیشہ اُس کی دعائیں

○

کتنی اچھی میری میڈم!
مَن کی سچی میری میڈم

گرمی آئی

(بچوں کیلئے)

گرمی آئی، گرمی آئی
لُو کے ساتھ پسینے لائی
چپ چپ کرتا بدن ہمارا
گرم ہے وائیو منڈل سارا
پنکھے، اے سی، فرِج اور کوُلر
تھک جاتے ہیں دن بھر چل کر
بجلی بند جونہی ہو جائے
گھر بھر کی تب شامت آئے

○

ہر موسم کی اپنی شوبھا
دُکھ سہہ کر ہی سکھ ہے ملتا
اگر نہ دُکھ کے بادل چھائیں
سُکھ کے ساون کیسے آئیں؟

○

گرمی آئی، چھٹیاں لائی
اب اسکول، نہ کوئی پڑھائی
اب تو مستی ہی مستی ہے
گرمی کی یہ دین بڑی ہے
لیچی، آم، آڑو، خربوزے
یہ سب تحفے ہیں گرمی کے
شربت، لسّی اور شکنجی
آئس کریم اور ٹھنڈی قلفی

○

دنیا میں خوش رہنا سیکھو
ہر مشکل کو سہنا سیکھو
قدرت کا پیغام یہی ہے
جینے کا بس نام یہی ہے

ہماری بیٹیاں

جان سے پیاری ہماری بیٹیاں
ایک نعمت ہیں دُلاری بیٹیاں

اس عطا کی قدر کرنا سیکھیے
ہیں خدا کی دین پیاری بیٹیاں

نیک نیّت، نیک سیرت، نیک دِل
یہ ہماری آگیا کاری بیٹیاں

لکشمی بھی، لکشمی بائی بھی یہ
''کم نہیں بیٹوں سے پیاری بیٹیاں''

وہ درندے ہیں جنھوں نے جبر سے
کوکھ کے اندر ہی ماری بیٹیاں

کس قدر ہمدرد ہیں ماں باپ کی
چاؔند! اپنی پیاری پیاری بیٹیاں!

گمراہ دہشت گردوں کے نام

امان و امن کے اے دشمنو! جفا کارو!
لعینو! قاتلو! انسانیت کے ہتیارو!

○

تمہارے قہر سے جو بے گنہ شہید ہوئے
تمہیں خبر ہی نہیں، کون تھے؟ کہاں کے تھے؟
ہزار حیف مگر تم نے آنِ واحد میں
کئی گھرانوں کے چشم و چراغ چھین لیے!

○

جُڑے ہوئے تھے وہ کتنے عزیز رشتوں سے
تھے بھائی بہنوں کے، ماں باپ، بیٹی بیٹوں کے
شریکِ رنج و الم تھے، شریکِ راحت تھے
کفیلِ رزق تھے، اپنے گھروں کی دولت تھے

○

تمہارے گھر میں بھی ہوں گے، تمہارے بھائی بہن
تمہاری مائیں بھی کیا دل میں سوچتی ہوں گی!
جوان ہو کے تم انسانیت کا قتل کرو!
ذلیل حرکتوں سے زندگی کی گود بھرو!

کے پہلے مصرع کی تقطیع یوں ہوگی ''(آنسوؤں کے سانچے میں/ فاعِ لُن، مَ فاعی لُن — درد جب بھی ڈھلتا ہے/ فاعِ لُن، مَ فاعی لُن)''۔ عہدِ حاضر میں، تن آسانی اور مجوزہ شرط کے وجود سے ناواقفیت کے باعث بیش تر شعراء وشاعرات کے اشعار کی تقطیع الفاظ توڑ توڑ کر کرنا پڑتی ہے، جو ایک سقم ہے۔

اب ہم چند دیگر بحروں کی جانب آتے ہیں — ''(رقصاں ہیں ذہن میں وہ مرادوں کے روز وشب/ مَف عُول، فاعِ لاتُ، مَ فاعی ل، فاعِ لُن/ بحرِ مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف)۔ (آہ! وہ والدِ بے زر کہ جواں بیٹی کے/ کون سے نام سے اب تجھ کو پکارا جائے/ اک بتسم ہی ترا بہرِ خدا مانگا تھا/ فاعِ لاتُن، فَ عِ لاتُن، فَ عِ لاتُن، فَعِ لُن/ بحرِ رَمَل مثمن سالم مخبون محذوف مُسکّن)۔ نعمتوں کی تو بخشش بہت اس نے کی/ وقتِ رخصت کا منظر کہ مَیں دیر تک/ فاعِ لُن، فاعِ لُن، فاعِ لُن، فاعِ لُن/ بحرِ متدارک مثمن سالم) رنجشوں نے جذبۂ اخلاص گرمایا بھی ہے/ فاعِ لاتُن، فاعِ لاتُن، فاعِ لاتُن، فاعِ لُن/ بحرِ رَمَل مثمن سالم محذوف)۔ (اُجڑے گھر کے آنگن میں/ فَعِ لُن، فَعِ لُن، فعِ لُن، فَعِ لُن/ بحرِ متقارب مثمن)''۔ نیز، اسی بحر میں ایک شانزدہ (سولہ رکنی غزل بھی ہے، جس کی تقطیع ''فعل، فَعِ لُن/ فَعِ لُن'' سے ہوگی۔ کس نے کتنا ساتھ نبھایا، میں کیا بولوں تو ہی بول)''۔

اس دیوان میں چار رکنی اور چھ رکنی غزلیں شامل نہیں۔

چاند کی غزل میں عطفی تراکیب نظر آتی ہیں، لیکن نسبتاً کم، مثلاً: ''سکون وقرار، در و دیوار، ارض وسما، روز وشب، اجر وثواب، سکون وصبر، فکر وعمل، دید وملاقات، رنج ومحن، شرم وحیا'' وغیرہ اس ضمن میں روایت فراواں ہے۔ ایک مثال ایسی بھی ہے جس میں اُس نے اِضافت اور عطف کو یک جا کیا ہے — ''لمحۂ راز ونیاز''۔ اِسے اختراع سے منسوب کیا جانا چاہئے۔ عطف کے ضمن میں یہ مثالیں خوب ہیں۔

اِک ایک پَل ہے مری جان کے لیے آزار
تمہارے ساتھ ہی رخصت ہوئے سکون وقرار

غلط، بہت ہی غلط کام کر رہے ہو تم
کہ اپنے ذہنوں کو نیلام کر رہے ہو تم
خود اپنے دِین کو بدنام کر رہے ہو تم

○

یہ سرکشی یہ خصومت، یہ ضد، یہ بغض و عناد
یہ قتلِ ہندو و مسلم، یہ دہشتیں، یہ فساد
رہِ رسولؐ سے بھٹکے ہوئے گنہ گارو!
یہ کیسی جنگ ہے اے ظالمو! یہ کیسا جہاد!

○

جہاد کرنا ہے تو ظلم کے خلاف کرو
جہاں سے غربت و پسماندگی مٹا ڈالو
ہے شوق لڑنے کا تو نابرابری سے لڑو
شہید ہونا ہے تو دینِ مصطفےٰ پہ مرو

○

ہو وید، گیتا کہ قرآنِ پاک یا انجیل
کوئی بھی دین سکھاتا نہیں یہ خوں ریزی
طریقِ ہندو ہو، عیسائیت ہو یا اسلام
روا نہیں کسی مذہب میں بھی شر انگیزی
وہ ہندو، سکھ ہوں، مسلمان ہوں کہ عیسائی
خدائے پاک کی نظروں میں ہیں یہ ایک سبھی

○

تمہارے جبر سے تعمیر رُک نہیں سکتی
ذرا بھی عظمتِ تہذیب جھک نہیں سکتی
خدا کا خوف کرو، قتل و خوں سے باز آؤ
جیو تم امن سے خود، دوسروں کو جینے دو

○

قطعہ

مری کم مائگی پر ہنسنے والو
میں سب اچھا برا پہچانتا ہوں
اچھالو طنز کے پتھر نہ مجھ پر
میں اپنی قدر و قیمت جانتا ہوں

تم اور تمہارا چہرہ

تمہارا چہرہ ہے جیسے کہ ایک ماہِ تمام
لکھے ہیں اس پہ ہزاروں محبتوں کے پیام

نقوش اس کے سبھی، ہر گھڑی نکھرتے رہیں
ہمیشہ اس پہ رہے مسکراہٹوں کا قیام

سمیٹ لوں میں تمہاری اُداسیاں ساری
سبھی مسرتیں اپنی کروں تمہارے نام

تمہاری سوچ کی پرواز پر میں نازاں ہوں
تمہاری فکر، تمہاری صلاحیّت کو سلام

خدا قبول کرے میری اس تمنا کو
اُبھر رہی ہے جو دل میں یہ خواہشِ بے نام

بکھرنے پائے نہ خوشبو کبھی یہ رشتوں کی!
مہک تمہاری وفا کی نہ ہو کبھی بدنام!

یہ آرزو ہے، رہے رُوبرو ہمیشہ مرے
تمہارے چہرے کو پڑھتے ہوئے ہو عمر تمام!

اجنبی ہوائیں

(امریکہ میں قیام کے دوران کہی گئی ایک نظم)

دیارِ غیر ہے اور اجنبی ہوائیں ہیں
فضا میں گہری اداسی کا دل گداز دھواں
یہ کس مقام پہ لائی مری حیات مجھے؟
جہاں ہیں یوں تو ہزاروں نشاط کے ساماں
بپا ہیں پھر بھی مرے دل میں کرب کے طوفاں

○

یہ روشنی کا سمندر، یہ ریل پیل، یہ شور
بہت ہی تیز ہے رفتار ہر بشر کی یہاں
رواں دواں ہیں یہاں لوگ جو اِدھر سے اُدھر
خبر نہیں یہ ہیں کس کی تلاش میں گرداں!
خدا ہی جانتا ہے ان کی منزلیں ہیں کہاں!

○

یہاں کے لوگ یقیناً بہت مودّب ہیں
اک ایک شخص یہاں ہے بہت سلیقہ شعار
بہت ہی خوب ہے اِن کی ادائے عجز و نیاز
بہت ہی نیک ہیں لوگوں کے اس جگہ اطوار
بہت کمال یہاں ہر بشر کی ہے گفتار

○

بجا یہ اِن کا سلیقہ، بجا یہ اِن کا شعار
مگر دلوں میں کہیں بھی یہاں وہ بات نہیں
نہ وہ خلوص، نہ وہ دوستی، نہ اپنا پن
یہ دن وہ دن نہیں، یہ رات بھی وہ رات نہیں
مرے وطن کی طرح کی یہ کائنات نہیں

○

پرائے دیس کی اِن اجنبی ہواؤں میں
عجب طرح کی مجھے آج ہو رہی ہے گھٹن
دیارِ غیر میں اے چاندؔ! جی نہیں لگتا
کوئی بھی رنگ ہو، اپنا وطن ہے اپنا وطن
کوئی بھی ڈھنگ ہو، اپنا وطن ہے اپنا وطن

○

نذرِ جاناں

(رفیقۂ حیات نرملا کی مرگ ناگہانی پر)

۱۲ر نومبر ۲۰۰۹ء

اس کرب کو لفظوں میں کس طور بیاں کیجے ؟
اک طُرفہ قیامت ہے، اپنوں کا جدا ہونا !

پلک جھپکتے ہی تو نے جو موند لیں آنکھیں
کسے خبر تھی کبھی اب یہ کھُل نہ پائیں گی!
مری صدائیں، مری آہیں، میری فریادیں
فلک کو چھو کے بھی ناکام لَوٹ آئیں گی!

○

جوان بیٹے کی بے وقت موت نے تجھ کو
دیے وہ زخم کہ جو تاحیات بھر نہ سکے
میں جانتا ہوں یہی جاں گذار گھاؤ تجھے
مآل کار بہت دُور لے گئے مجھ سے

○

وہ ہم نوائی، وہ راز و نیاز کی باتیں
بھلی سی لگتی تھیں فہمایشیں بھی مجھ کو تری
ہر ایک بات تری تھی بہت عزیز مجھے
ہزار حیف! وہ سب چھِن گئی متاع مری

○

ہماری زندگی تھی یوں تو خوش گوار، مگر
ضرور میں نے تجھے رنج بھی دیے ہوں گے!
ترستی رہ گئی ہوں گی کئی تمنائیں
بہت سے ولولے پامال بھی ہوئے ہوں گے

○

یہ سُونا سُونا سا گھر، رات کا یہ سناٹا
تجھی کو ڈھونڈتی ہے بار بار میری نظر
رہِ حیات کا بھٹکا ہوا مسافر ہوں
ترے بغیر ہر اک راہ بند ہے مجھ پر

○

مگر یقیں ہے مجھے، تجھ کو جلد پا لوں گا
خطائیں جو بھی ہوئیں مجھ سے، بخشوا لوں گا

○

○

حادثاتِ ناگہاں سے بھی کیا گو ہم کنار
پھر بھی اُس کی رحمتوں کا ہو نہیں سکتا شمار

اب ہُوا محسوس یہ تیرے چلے جانے کے بعد
تجھ پہ میری زندگی کا کس قدر تھا انحصار!

خواہشیں تو ہر قدم پر سر اٹھاتی ہیں، مگر
عقل کہتی ہے سمجھ کر، سوچ کر دامن پسار

کون سنتا ہے؟ کہاں جاؤں؟ کسے آواز دوں؟
تو ہی میری ہم نوا تھی، تو ہی میری غم گسار

تھم گئی ہے زندگانی ایک اندھے موڑ پر
ہم سفر کوئی نہیں، سُونی ہے آگے رہ گزار

جی ترستا ہے اُسی تیری توجہ کے لیے
آج بھی ہے نقش دل پر جس کی نکہت کا خمار

جانتا ہوں تو پلٹ کر اب نہ آئے گی کبھی
پھر بھی مجھ کو ہر گھڑی رہتا ہے تیرا انتظار!

اک عجب وحشت مقدر بن گئی ہے روح کا
چاک ہے میرا گریباں اور دامن تار تار

بس تری یادوں کی خوشبو ہی مری دم ساز ہے
روز آتی ہے ہوا کے دوش پر ہو کر سوار

اک غمِ تازہ عطا تُو نے کیا ہے چاند کو
اس کو سہنے کی بھی ہمت بخش اے پروردگار!

ترس گئے ترے قدموں کی نرم آہٹ کو
اُداس اُداس ہیں اِس گھر کے اَب در و دیوار

اِن دونوں اشعار میں کیفیات پنہاں ہیں، بیانیہ انداز میں۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ''نرم آہٹ'' کا استعمال خوب ہے کہ اِسم ''آہٹ'' کی وضاحت نشان دہی کے لئے، عام طور پر لفظ ''خاموش/چُپ'' بطور صفت باندھا جاتا ہے۔ دوسرے مصرع میں لفظ ''اِس'' ظرفِ مکاں ہے اور لفظ ''اَب'' ظرفِ زماں ہے۔ یہ دونوں الفاظ بہم ہو کر در و دیوار کی اُداسی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ یہ نقشہ اسی اداسی کا بیان ہے جو شاعر کی ذات سے انفرادی طور پر منسوب ہے۔ یہ بیان، ایک غم کا ردِعمل ہے۔ اس ردِعمل میں وصل کے بعد ملنے والے ابدی فراق کی واردات! اِس واردات کے زخم پر وقت کا مرہم تو رکھا جا سکتا ہے، لیکن اس سے اندمال کی توقع عبث ہوگی — اس غزل میں فراق کی کیفیات زاویے بدل بدل کر اُبھرتی ہیں کہ ہر شعر کا محور، ہر متن کا مخاطب ایک ہے، صرف ایک — اور وہ ہے چاند کا رفیقِ سفر۔ مجتزہ کیفیات میں محرومی بھی ہے، تنہائی بھی ہے، اداسی بھی ہے اور خود سے بیگانگی بھی ہے کہ ''سایہ بھی جسم سے بیزار ہے''۔ وہی بدنصیب کونج والی بات۔ ''کونج وِچھڑ گئی ڈارتوں'' لہٰذا، یہ کیفیت صرف اور صرف وہی دِل محسوس کر سکتا ہے جو رفیقِ سفر سے بچھڑ گیا ہو، اپنی پرواز (زندگی) کے دوران، ڈار سے بچھڑ گیا ہو۔ اس کیفیت کا حسی سفر فرد کے آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ اس کیفیت کی داستان میں ایک موڑ ایسا بھی آتا ہے جب مسافر خود کو حقیقت سے جدا کر کے کسی افسانہ کا ایک جیتا جاگتا کردار بن جاتا ہے۔ اس کردار کے ہونٹوں پر ابھرنے والی دنیا مجلسی ہنسی کے منظر میں خوشی ہوتی ہے، لیکن اس کے پس منظر میں کرب کارفرما ہوتا ہے۔ یوں محروم و اداس فرد اِسی کرب کو زادِ راہ بنا لیتا ہے۔ آخری سانس کی منزل پر وہ زادِ راہ فرد کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

بنیادی طور پر، چاند اُس تہذیب کا شاعر ہے، جس سے ثقافت کے مختلف النوع عناصر جِلا بھی پاتے ہیں اور تحفظ بھی۔ مہذب، عقیدہ، رجحان اور اِزم (Ism) معاشرہ کی صلاح اور فلاح سے، اجتماعی اصولوں کی بنیاد پر، انفرادی زندگی کو غم سے مبراء اور خوشی سے ہمکنار کرنے کی خاطر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ وہ کاوشات بجا، لیکن منفی اثرات اور آوازے معاشرہ میں سدا موجود رہتے

○

سانحہ رحلتِ جاناں کا نرالا بھی نہیں
دل کو احساسِ زیاں چھوڑنے والا بھی نہیں

جُزوِ جاں ہو گئی جو پھانس تری فرقت کی
میں نے دانستہ اسے دل سے نکالا بھی نہیں

میری ہر بھول پہ ہلکی سی تری فہمایش
آہ! اب کوئی مجھے ٹوکنے والا بھی نہیں!

رات خاموش ہے، گُل ہیں مہ و انجم کے چراغ
اور تا حدِ نظر کوئی اُجالا بھی نہیں!

لے گئی ساتھ جو تُو حسرتیں ناآسودہ
حیف! ممکن کوئی اب اُن کا ازالہ بھی نہیں

کوئی ہم راز، نہ دم ساز، نہ غم خوار مرا
کیسے جیتا ہوں؟ کوئی پوچھنے والا بھی نہیں!

تھی ترے دم سے پذیرائی مری اپنوں میں
اب کہیں ذکر نہیں، میرا حوالہ بھی نہیں

ٹال کر عرض مری تُو نے تو منہ پھیر لیا
آج تک تیرا کہا میں نے تو ٹالا بھی نہیں

میں ہوں وہ بیکس و لاچار کہ اب جس کے لیے
سر پہ سایہ بھی نہیں، منہ میں نِوالہ بھی نہیں

چاؔند! کیوں دل ترا گھائل ہے کہ جب لوگوں نے
طنز کا تیر کوئی تجھ پہ اچھالا بھی نہیں؟

O

یہی وعدہ تھا، اب مِل کر جییں گے ہم، مریں گے ہم
کبھی سوچا نہ تھا، بچھڑے تو پھر کیسے جییں گے ہم

رفاقت مدتوں کی' ناگہاں پَل میں فنا ہو گی
کہاں معلوم تھا یہ زہر بھی اک دن پییں گے ہم!

فضا وحشت اثر، جاں سوز ہیبت ناک تنہائی
خدا معلوم اس عالم میں کب تک جی سکیں گے ہم!

الٰہی! مختصر ہو انتظارِ مرگ کا وقفہ
برہ کی آگ میں جلتے ہوئے کب تک جییں گے ہم؟

نہیں ہم دم کوئی اس عالمِ جاں سوز فرقت میں
بتا اس کرب کا احوال اب کس سے کہیں گے ہم؟

سجا ہی لیں گے مصنوعی تبسم اپنے ہونٹوں پر
تری یادوں کے صدقے اب نہ آنکھیں نم کریں گے

بہر صورت حقائق سے ہمیں کرنا ہے سمجھوتہ
کہاں تک چاؔند! خوابوں کے سہاروں پر جییں گے ہم؟

○

کیا کہوں اب کون سی امید پر زندہ ہوں میں؟
جی رہا ہوں کس طرح؟ کس حال میں رہتا ہوں میں؟

دیکھیے لے جائے اب مجھ کو کہاں میرا نصیب!
اپنی ہی تقدیر کا ٹوٹا ہوا تارا ہوں میں

اجڑی آنکھوں میں تری تصویر بھی دھندلا گئی
شہرِ دل ویران ہے، اک بیکراں صحرا ہوں میں

رسمِ ہمدردی نبھائی اور سب چلتے بنے
پھر کسی نے آ کے پوچھا ہی نہیں، کیسا ہوں میں

کب حصارِ جسم سے ہوگی رہائی؟ کیا خبر؟
کب یہ زنجیریں کٹیں گی؟ سوچتا رہتا ہوں میں

ہنس کے ملتا ہوں کہ دستور زمانہ ہے یہی
کون جانے دل میں کیا طوفاں لیے پھرتا ہوں میں!

عمر بھر کرتا رہا صبحِ سکوں کا انتظار
اور شامِ غم کو لے کر آج تک بیٹھا ہوں میں

جانتا ہوں، جانے والا اَب نہ آئے گا کبھی
راہ اس کی پھر یہ کس امید پر تکتا ہوں میں!

چاندؔ! اُس کی صحبتوں کے سبز موسم کھو گئے
اب تو اک رَوندا ہُوا سا لالۂ صحرا ہوں میں

متفرق اشعار

دُوریوں سے یادوں کے نقش مٹ نہیں جاتے
ماہتاب کو دیکھو چاند! گہرے پانی میں

○

اک ذرا سی بات پر کیوں کر تعلق توڑ دوں؟
وہ پرانا یار بھی ہے، میرا ہمسایہ بھی ہے

○

خامشی ہی نے کہہ دیا سب کچھ
اوڑھ کر دل کی دھڑکنوں کا لباس

○

یہ بھی کیا کم ہے جو ہم تیری تمنا میں ہیں گُم
لطفِ منزل نہ سہی، حسرتِ منزل ہی سہی

○

چاند! اُن نگاہوں پر کیوں دھریں کوئی تہمت؟
دل ہمارا اپنا ہی مائلِ تباہی ہے

○

تمام عمر یہ بھٹکی ہے گھُپ اندھیروں میں
اس آگہی سے تو بہتر تھی گُم رہی میری

○

شاید ترے خلوص میں کوئی کمی رہی
اے چاند! تو نے یار پرانے جو کھو دیے!

○

ہے یہ بھی ایک ادائے کرم تری، یا رب!
جو تو مراحلِ غم سے گزارتا ہے مجھے

○

رفیقِ زندگی اس کا بچھڑ گیا ہو گا!
اُداس بیٹھا ہے پنچھی جو شاخ پر تنہا!

○

اُسی نے آگ لگائی ہے ساری بستی میں
وہی یہ پوچھ رہا ہے کہ ماجرا کیا ہے؟

○

جھولی مری خالی ہے مگر آس ہے قائم
میں آج بھی اے چاند! اسی در پہ کھڑا ہوں

○

جو چھین لیا تو نے، گلہ اس کا ہو کیوں کر؟
بخشا ہے جو تو نے وہ کہیں اس سے سوا ہے

○

اُن تلخ پلوں کی بھی یادیں ہیں بہت شیریں
ہر بات پہ وہ تیرا، بے وجہ خفا ہونا !

○

یوں تو لوگ مطلب سے میل جول رکھتے ہیں
پھر بھی باہمی رشتہ کچھ نہ کچھ سنورتا ہے

○

اپنی اپنی ضد پر دونوں اَڑے رہے
اور یونہی برسوں کا رشتہ ٹوٹ گیا

○

اپنے پُرکھوں کی عنایات کی تعظیم کرو
یہ ہے وہ قرض جو صدیوں نہ اتارا جائے

○

جہاں میں یوں تو میسر ہُوا دوام کسے؟
مگر وہ گل، جو بہاروں میں بے لباس ہُوا!

○

آزارِ غمِ عشق بڑی چیز ہے، یارو!
کم ظرف ہو جو اس کی دوا ڈھونڈ رہے ہو!

○

شہر دل میں بس رہی تھیں چاندؔ کیا کیا مورتیں!
وقت کا دریا مگر سب کچھ بہا کر لے گیا!

○

روح پہ چھالے، ذہن پریشاں، جسم پہ زخموں کی پوشاک
تم کیا جانو! آگ کا دریا، ہم نے کیسے پار کیا!

○

بستی ہوئی ویران، جدا ہو گئے احباب
اب خاک میں، اے چاندؔ! یہ کیا ڈھونڈ رہے ہو؟

○

نسلِ نو کے فرزانوں کو، ان کی کوئی قدر نہیں
جن قدروں کو ہم دیوانے، گلے لگائے بیٹھے ہیں!

○

چاند اپنی زیست اک بہتے ہوئے دریا سی ہے
پتھروں میں بھی جو کر لیتا ہے پیدا راستے

○

نااہلیت اپنی کہ جو رسوائے جہاں تھی
حیرت ہے وہی آج کا سب سے بڑا فن ہے!

○

دل تو کیا چیز ہے، ایک ایک نفس اُس کا ہے
اُس نے اے چاند! مگر حق تو جتایا ہوتا!

○

دوستو! شاید ہمیں آداب سے واقف نہیں
آپ کے آداب سے ہم کو یہ اندازہ ہُوا

○

بھر چلے تھے زخم جو، پھر سے لگے منہ کھولنے
کچھ پرانے درد لے کر آئی ہے تازہ ہوا

○

ستم تو یہ ہے کہ تُو بھی مجھے سمجھ نہ سکا
تمام عمر ترا ہم نفس رہا ہوں میں!

○

ہیں۔ یوں مثبت اور منفی افعال، اعمال اور اقوال ہر معاشرہ میں دھوپ اور سایہ بن کر ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ قلم کار، صلاح کار اور فلاح کار آتے ہیں، اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ ایک مٹی کی چادر اوڑھ کر خاموشی سے سو جاتے ہیں یا خود کو آگ کے سپرد کر کے، کندن بن جاتے ہیں — فی الوقت، چاند بھی ایک قلم کار کے روپ میں، ایک صلاح کار کا کردار، اپنے تئیں، اپنی استعداد اور بضاعت کے ساتھ، اشعار کی صورت میں ادا کر رہا ہے۔ وہ منکسر المزاج ہے، لہٰذا وہ خود اعلان کرتا ہے۔ میری داستان میں کوئی نئی بات نہیں۔ اس میں درد کے (پُرانے) قصے اور (ماضی) کے افسانے ہیں"۔

نیا تو کچھ بھی نہیں تیری داستاں میں، چاند!
وہی ہیں درد کے قصے، وہی فسانے ہیں

اسی شعر کی زمین میں، ناچیز کا یہ شعر چاند کی نذر ہے۔

سُنا رہا ہے تُو دنیا کا حال شعر میں، چاند!
ترے بیان میں شامل کئی خزانے ہیں

مہندر پرتاپ چاند

یوم ولادت : یکم اگست 1935ء

جائے ولادت : کروڑ لال عیسن (ضلع مظفر گڑھ، حال ضلع لیہ، پاکستان)

تلمیذ : علامہ قیس جالندھری (مرحوم)

تعلیم : ایم۔اے (اردو)۔ایم۔اے (لائبریری سائنس)

ملازمت : ریٹائرڈ یونیورسٹی لائبریرین و ٹیچر انچارج شعبۂ اردو و فارسی، کورو کشیتر یونیورسٹی، کورو کشیتر (ہریانہ)

اعزازات : سید مظفر حسین برنی ایوارڈ (ہریانہ اردو اکادمی) 1995ء

''نسیم لیہ ایوارڈ'' (انٹرنیشنل بزم علم وفن، پاکستان) 2004ء اور 2010ء

''مہتاب سخن خطاب'' (نورنگ ادبی ادارہ، لدھیانہ، پنجاب) 2006ء

''خواجہ الطاف حسین حالی ایوارڈ'' (ہریانہ وقف بورڈ) 2006ء

''بھارت ایکسی لینس ایوارڈ'' (فرینڈ شپ فورم آف انڈیا، نئی دہلی) 2009ء

موجودہ پتا : 1420، سیکٹر 9، اربن اسٹیٹ، انبالہ شہر 134003 (ہریانہ)

دیگر تصانیف : ''حرف راز'' (مجموعہ کلام)، ''زخم آرزوؤں کے'' (مجموعہ کلام دیوناگری رسم الخط میں)، ''اردو کی ساتویں کتاب'' (صوبۂ ہریانہ کے اسکولوں کی ساتویں جماعت کے طلباء کے نصاب میں 1986 سے رائج)، ''حالی پانی پتی کی غزلیں'' (دیوناگری رسم الخط میں)، ''حرف آشنا'' (مجموعہ کلام)، ''لاوا'' گورو گوبند سنگھ جی کے اعلیٰ کردار اور ان کے نمایاں کارناموں پر مبنی مثنوی از حضرت قیس جالندھری مرتب، ''آزارِ غمِ عشق'' (مجموعۂ کلام)، ''دودھ کا مولیہ اور دوسری لوک کہانیاں'' (دیوناگری رسم الخط میں)، دودھ کی قیمت و دوسری لوک کہانیاں'' (بچوں کے لیے مختلف ممالک کی لوک کہانیاں)، کولن کلاسی فیکیشن (پروگریمڈ ٹیکسٹ) (لائبریری سائنس کی کتاب انگریزی و ہندی میں)، ''اُجالوں کے سفیر'' (مجموعہ مضامین)، ''نشاطِ قلم'' (مجموعہ مضامین)، ''اردو زبان وادب کے فروغ وارتقا میں ہریانہ کا حصہ'' (تحقیقی پروجیکٹ، زیر اشاعت ہریانہ اردو اکادمی)

امرت پرکاشن
شاہدرہ، دِلّی۔ 110032

مہندر پرتاپ چاندؔ کی شاعری پر ایک نظر

* اخترؔ شاہجہاں پوری

دنیا کی کسی زبان کی شاعری نے اپنی سابقہ تعریف سے آگے بڑھ کر کچھ نہیں کیا، نہ اس کی ہیئت بدلی اور نہ معنویت ہی تبدیل ہوئی۔ جبکہ غزل اپنا سابقہ چولا اتار کر پھینک چکی ہے اور اب بالکل نئی آب وتاب کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے، اس کا ہر شعر نئی معنویت اور نئے نئے مضامین کے تناظر میں نظر آتا ہے۔ وہ شاعری اب خواب وخیال ہو کر رہ گئی ہے جو بیسویں صدی کی چھٹی دہائی تک عوام و خواص کی پسندیدہ رہی، اس میں فراق ووصال، چمن، آشیانہ، قفس، صیاد، گلچیں، برق، مئے خانہ اور جام وساقی کے تعلق سے خوب خوب لکھا گیا لیکن آج کی غزل میں اس طرح کی لفظیات نظر نہیں آتیں۔ اب نئی نئی تراکیب، نئے نئے استعارے اور تشبیہات سے غزل کی معنویت کو وسعت دی جارہی ہے اور پُرکشش بنایا جارہا ہے۔ جو غزل اب کہی جارہی ہے اس پر قارئین کی پسندیدگی کی مُہر لگ چکی ہے۔

سرزمین پنجاب و ہریانہ، اردو کے لئے ہمیشہ سے زرخیز رہی ہے۔ آج بھی ڈاکٹر شبابؔ للت، ڈاکٹر تفتہ زاری، حضرات راجندر ناتھ رہبرؔ، اجیت سنگھ حسرتؔ، سردار پنچھیؔ، ڈاکٹر کمارؔ پانی پتی، ڈاکٹر کے کے رِشیؔ اور ڈاکٹر راناؔ گنوری وغیرہ اردو کی ترویج وترقی کیلئے کوشاں ہیں۔ مہندر پرتاپ چاندؔ اچھے شاعر ہی نہیں، وہ ادیب اور ناقد بھی ہیں۔ ان کے کئی شعری ونثری مجموعے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر عوام وخواص سے دادو تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ انہیں کئی بڑے بڑے ادبی ایوارڈوں سے بھی نوازا جاچکا ہے۔

مہندر پرتاپ چاندؔ کی شاعری کا اگر بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو اس میں جو سادگی اور

* اختر شاہجہاں پوری صاحب غزل کے حوالے سے ایک معروف وممتاز شخصیت ہیں۔

معنویت ہے، وہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں آج اور آنے والے کل کی تصویر صاف نظر آتی ہے۔ یہاں ان کے اشعار کا تقابلی جائزہ پیش کر رہا ہوں، جس سے مہندر پرتاپ چاندؔ کی ادبی حیثیت کا تعین کرنے میں آسانی ہوگی۔

خواجہ میر دردؔ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تو میں دل کھول کر رو بھی نہ سکا، اس لئے کہ اس ہنگامہ بھری دنیا نے فرصتِ یک لمحہ بھی نہ دی کہ میں اپنی حالت زار پر آنسو بہاتا، اس لئے شہر خموشاں میں پہنچ کر اپنی حالت پر جی بھر کے آنسو بہاؤں گا۔ شکیلؔ بدایونی کہہ رہے ہیں کہ غمِ دنیا کی عظمتیں زاہد کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، اس لئے کہ غم دنیا کے طفیل ہی عقبیٰ ملی یعنی دنیا میں اتنے رنج و غم اٹھائے کہ عقبیٰ سنور گئی۔ رندؔ فیض آبادی کی کہانی اتنی پُر درد تھی کہ سننے والے بھی رو پڑے اور ان کے افسانے کا اختتام آنسوؤں سے شروع ہو کر آنسوؤں پر ہی ختم ہوا۔ عنوانؔ چشتی کہہ رہے ہیں کہ چاہے کتنے ہی غم زندگی میں آئیں، ان کا استقبال مسکرا کر ہی کرنا چاہئے، وہ انسان ہی کیا جو غموں سے بیزار ہو جائے۔ مہندر پرتاپ چاندؔ کہہ رہے ہیں کہ مجھ پر جب غموں کی یلغار ہوئی تو میں نے گھبرا کر تجھے بھولنے کی دعا مانگی، اب جبکہ غم والم کے زخم بھر چکے ہیں تو میں بہت نادم و شرمندہ ہوں کہ آخر میں نے یہ کیا مانگا تھا۔

دشتِ عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم
کنج جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا
خواجہ میر دردؔ

زاہد سے پوچھئے غمِ ہستی کی عظمتیں
عقبیٰ نہ مل سکی غم دنیا کیے بغیر
شکیلؔ بدایونی

اشکوں پہ ہُوا ختم مرے غم کا فسانہ
روتے ہوئے انجام پہ روتا ہے زمانہ
رندؔ فیض آبادی

ہجوم غم میں عنوانؔ مسکرانا چاہئے تم کو
وہ انساں کیا جو غم میں زیست سے بیزار ہو جائے
عنوانؔ چشتی

شدت غم میں دعا کی تھی تجھے بھولنے کی
اب بھرے زخم نو نادم ہوں یہ کیا مانگا تھا !

مہندر پرتاپ چاندؔ

محسنؔ بھوپالی نے کہا کہ جو لوگ اپنے اپنے گھروں سے کسی بھی وجہ سے باہر جائیں، چاہے وہ تلاش معاش کی وجہ ہو یا فسادات کی وجہ سے ہجرت کرنا پڑے، وہ لوگ عمر بھر اپنے گھر کے در و دیوار کو نہیں بھولتے، اس لئے کہ اپنا آشیانہ پھر اپنا ہی ہوتا ہے۔ خالدؔ کفایت کہہ رہے ہیں کہ ان کا شناسا ان سے کوئی تعلق قائم رکھنا نہیں چاہتا، اس لئے اس نے در کو بھی دیوار کی شکل دے دی ہے، یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ آنگن میں دیوار اٹھالی ہے۔ غلام جیلانی اصغرؔ نے کہا کہ ہمارے شہر کی دیواریں آج بھی گم صم نظر آتی ہیں، پتا نہیں وہ یہاں سے جاتے وقت کیا کہہ گیا، اِسے یوں ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ جانے پھر نہ آنے کیلئے کیا کہہ گیا یعنی وہ ہم سے ناراض ہو کر یا ہماری محبت کو ٹھکرا کر چلا گیا۔ شاہدؔ کبیر کہہ رہے ہیں کہ گھر کے در و دیوار سے ہمارا اب کوئی رشتہ تو باقی نہیں لیکن کچھ ایسی یادیں وابستہ ہیں جن کی وجہ سے تعلق توڑا نہیں جا سکتا۔ مہندر پرتاپ چاندؔ اپنے محبوب سے شکوہ گزار ہیں کہ جب سے تیرے قدموں کی نرم آہٹ سے یہ گھر محروم ہوا ہے، اس کے در و دیوار اداس رہتے ہیں۔

در و دیوار سے نکل کر لوگ
فکر دیوار و در میں رہتے ہیں

محسنؔ بھوپالی

توڑ لینا چاہتا ہے ہر تعلق
در کو بھی دیوار کرنا چاہتا ہے

خالدؔ کفایت

آج تک گم صم کھڑی ہیں شہر میں
جانے دیواروں سے تم کیا کہہ گئے

غلام جیلانی اصغرؔ

باندھ رکھا ہے کسی سوچ نے، گھر سے ہم کو
ورنہ اپنا در و دیوار سے رشتہ کیا ہے
شاہد کبیر

ترس گئے ترے قدموں کی نرم آہٹ کو
اُداس اُداس ہیں اس گھر کے اب درو دیوار
مہندر پرتاپ چاند

داغ دہلوی فرماتے ہیں کہ محبت کی عمر دراز ہو کہ اس نے دونوں گھر آباد کر دیے یعنی میرا دل اور میرے محبوب کا دل محبت کے بغیر ویران تھے۔ یہ محبت ہی کی کارفرمائی ہے کہ یہ دونوں گھر آباد ہوئے۔ عبیداللہ علیم نے کہا کہ دنیا میں جو گھر اُجاڑے گئے فسادات کے نام پر، پہلے انہیں آباد کیا جائے، پھر چاند کو آباد کرنے کا خیال دل میں لایا جائے۔ جوش ملیح آبادی کو اپنا گھر ویران ہونے کا احساس تب ہوا، جب ان کا محبوب گھر میں رونق افروز ہوا، یعنی پہلے ان کا گھر ویران تو تھا لیکن انہیں محبوب کی یاد کی وجہ سے اس طرف غور کرنے کی فرصت کہاں تھی؟ امجد فاضلی کہہ رہے ہیں کہ جب ہمارا دوست رخصت ہُوا تو ایسا لگا کہ گھر ویران ہو گیا، اس منظر کی بے کیفی کو کوئی ہم سے پوچھے، اس لئے کہ یہ اذیت ناک حادثہ ہم پر گزرا ہے، لیکن مہندر پرتاپ چاند کہتے ہیں کہ آنگن میں پھول تو ہمیشہ کی طرح کھلے ہیں، لیکن محبوب کی غیر موجودگی کی وجہ سے گھر خالی خالی نظر آتا ہے۔

خدا رکھے محبت نے کئے آباد دونوں گھر
میں ان کے دل میں رہتا ہوں وہ میرے دل میں رہتے ہیں
داغ دہلوی

چاند کا دشت بھی آباد کبھی کر لینا
پہلے دنیا کے یہ اُجڑے ہوئے گھر تو دیکھو
عبداللہ علیم

اب تک نہ خبر تھی مجھے اُجڑے ہوئے گھر کی
تم آئے تو گھر میں سر و ساماں نظر آیا
جوشؔ ملیح آبادی

رخصتِ دوست کا عالم کوئی پوچھے ہم سے
ہوتے دیکھا ہے بھرے گھر کو بیاباں ہونا
امیدؔ فاضلی

کِھلے ہیں پھول تو آنگن میں ہر برس کی طرح
بھرا پُرا سا جو لگتا تھا اب وہ گھر ہی نہیں
مہندر پرتاپ چاندؔ

پروینؔ شاکر کا محبوب ان کو دیدار کی لذت سے آشنا کرنے کیلئے گھر سے نکل چکا ہے۔ اس کی خبر انہیں ان ہواؤں سے ملی جو ان کے محبوب کے صندلی جسم اور زعفران زار سانسوں کی مہک لے کر ان کے پاس سے گزری ہیں، جبکہ اکرامؔ تبسم کہہ رہے ہیں کہ تمہارے بکھرے بکھرے گیسو کہیں ہمارا شیرازہ نہ بکھرا دیں، اس لئے اپنے ان معطر اور معنبر گیسوؤں کو باندھ لو۔ اشرف جہاں صبوحیؔ اپنے محبوب کی یاد کو خوشبو سے تعبیر کرتے ہوئے کہہ رہی ہیں کہ یادوں کے جزیرے میں کئی پھول کھلے ہیں یعنی کئی واقعات روشن ہو گئے ہیں۔ سالکؔ نسیمی کہہ رہے ہیں کہ میری سانسوں میں تیری سانسوں کی مہک ہمارے دل کی دھڑکن کی طرح ہے، جہاں بھی جاؤں وہ خوشبو ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ مہندر پرتاپ چاندؔ آپسی رشتوں کے تقدس کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے، اس لئے کہ محبت خوشبو کی طرح ہوا کے دوش پر سفر کرتی ہے اور پورے ماحول کو اپنی موجودگی سے باخبر کر دیتی ہے۔

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہے
موجِ ہوا کے ہاتھ میں اس کا سراغ ہے
پروینؔ شاکر

ہمیں بکھیر نہ دیں گیسوؤں کو لے جاؤ
ہوا میں باندھ کے اِن خوشبوؤں کو لے جاؤ
اکرامؔ تبسم

آئی جو صبا لے کے تری یاد کی خوشبو
یادوں کے جزیرے میں کئی پھول کھلے ہیں
اشرف جہاں اشرفؔ

جدھر بھی جاؤں فضائیں مہکنے لگتی ہیں
تمہارے لمس کی خوشبو ہے دل کی دھڑکن میں
سالک نسیمی

باہمی رشتوں کی خوشبو کو کوئی نام نہ دو
اس تقدس کو نہ پہ اتارا جائے
مہندر پرتاپ چاندؔ

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کہہ رہے ہیں کہ ہم جہاں سایۂ دیوار سمجھ کر بیٹھے تھے وہ تو گرتی ہوئی دیوار تھی، یعنی جس سے سہارا ملنے کی امید تھی، وہاں سے بھی مایوسی ہی ہاتھ لگی اس پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ سہیلؔ غازی پوری نے کہا کہ آج کل جانے کون سے نحس تارے کے زیر سایہ ہُوں کہ جو بھی قدم اٹھاتا ہوں اس میں خسارہ ہوتا ہے، اسے تقدیر کا لکھا بھی کہا جا سکتا ہے۔ ناشادؔ اورنگ آبادی کہہ رہے ہیں کہ وہ اس قدر تنہا ہیں کہ سایے کو اپنا ہمسفر، اپنا رفیق سمجھ کر اس سے لپٹ کر روتے رہے، اسے احساس تنہائی کی انتہا کہا جا سکتا ہے۔ اسلم کولسری بھی تنہائی کے مارے ہوئے ہیں، وہ سفر میں ہیں لیکن ہمسفر کوئی نہیں، اس لئے مجبوراً سایے کو ہی ہمسفر سمجھنا پڑا۔ مہندر پرتاپ چاندؔ کہہ رہے ہیں کہ مرتے وقت میں وہ لوگ بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، جو سایے کی طرح ساتھ میں رہا کرتے ہیں۔ یہ واضح اشارہ اپنے قریبی دوست اور ساتھی کی طرف ہے۔

صد حیف کہ گرتی ہوئی دیوار تھی وہ بھی
بیٹھے تھے جہاں سایۂ دیوار سمجھ کر
کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

سایہ فگن یہ کون سا تارا ہے اِن دنوں
جو بھی قدم اٹھاؤ خسارہ ہے اِن دنوں
سہیلؔ غازی پوری

ISBN : 978-81-8280-111-0

© جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

نام کتاب : ...جاتے ہوئے لمحو!

مصنف : مہندر پرتاپ چاند

سن اشاعت : 2013ء

ایڈیشن : اوّل

قیمت : =/200 روپے

ناشر : امرت پرکاشن

1/5170، لین نمبر 8، بلبیر نگر

شاہدرہ، دِلّی۔110032

فون:22325468

پرنٹر : ویوم ورڈس

1/5170، لین نمبر 8، بلبیر نگر

شاہدرہ، دِلّی۔110032

کمپوزنگ : گرافک پوائنٹ:9818858745

ملنے کا پتا : مہندر پرتاپ چاند

ریٹائرڈ یونیورسٹی لائبریرین

1420، سیکٹر-9، اربن اسٹیٹ، انبالہ شہر، (ہریانہ)-134003

موبائل:09416155918

"...Jaate Huye Lamho!"

Poetry

by Mohinder Pratap 'Chand'

Rs. 200/=

کل لپٹ کر میں سایے سے روتا رہا
دھوپ میں دوست اک گمشدہ مل گیا
ناشادؔ اورنگ آبادی

در پیش ہو سفر تو شریک سفر بھی ہے
نیند آئی تو زمین پہ سایہ بچھا لیا
اسلم کولسری

بُرا ہو وقت تو سایہ بھی دُور رہتا ہے
ترے سلوک نے ہم پر یہ آشکار کیا
مہندر پرتاپ چاندؔ

حفیظؔ جونپوری کو ان کے محبوب نے برسر بزم اپنے قریب بٹھالیا تو وہ اس بات پر اس لیے خوش ہیں کہ غیر ان کی عزت افزائی دیکھ کر رشک کرنے لگے۔ لیثؔ قریشی کا کہنا ہے کہ جس شخص نے اپنا وقار کھو دیا وہ آدمی ہو کر بھی آدمی نہیں رہتا، گو آدمی اگر ہے تو اسے باوقار رہنا پڑے گا۔ فکرؔ بجنوری اس وجہ سے شکوہ گزار ہیں کہ ان کا محبوب زندگی میں تو ان سے ملنے نہیں آیا، اس لیے کہ کہیں ان کے وقار کو ٹھیس نہ پہنچے، بعد مرنے کے ان کے پاس آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا محبوب ان سے محبت تو کرتا ہے لیکن اس محبت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا جبکہ مہندر پرتاپ چاندؔ کہہ رہے ہیں کہ یہ جو آرزوؤں کے زخم مہک رہے ہیں اِنہیں سے عاشقی کا وقار ہے۔

اس نے حفیظ بزم میں اپنے قریب دی جگہ
رشک سے غیر جل اٹھے میرا وقار دیکھ کر
حفیظؔ جونپوری

کھو کے اپنے وقار کو اک بار
آدمی آدمی نہیں رہتا
لیثؔ قریشی

مجھ سے ملنے آ رہے ہیں میرے مر جانے کے بعد
تا کہ دنیا کی نگاہوں میں رہے ان کا وقار

فکرؔ بجنوری

مہک رہے ہیں جو یہ زخم آرزوؤں کے
اِنہیں کے دم سے سلامت ہے عاشقی کا وقار

مہندر پرتاپ چاندؔ

یہ تقابلی جائزہ مشہور و معروف شعرا کے پسندیدہ اشعار کے ساتھ لیا گیا۔ یہ بات تو واضح ہوگئی کہ دوسرے شعرا کی طرح مہندر پرتاپ چاندؔ کے اشعار بھی اپنے اندر جہانِ معنیٰ سمیٹے ہوئے ہیں۔ اب ان کے کچھ اور پسندیدہ اشعار جن میں گہرائی و گیرائی کے ساتھ اچھی شاعری کی تمام صفات موجود ہیں، پیش کرنا چاہتا ہوں ۔

وہ جس کو اپنی کہانی سنا رہا ہوں میں
وہی ہے میری کہانی کا مرکزی کردار

•••

مایوس ہو نہ زیست کی محرومیوں سے چاندؔ
حاصل ہوا ہے زیست میں کس چیز کو ثبات !

•••

لاتی ہے کیا پیام نیا دیکھئے، سحر
وحشت سی دل پہ چھائی رہی ہے تمام رات

•••

وہ ساحلوں سے ابھی تک پکارتا ہے مجھے
میں کب کا ڈوب چکا ہوں اُسے خبر ہی نہیں !

•••

صبح روشن کو تو آنا ہے وہ آئے گی ضرور
اس بھروسے پہ شب غم کو گزارا جائے

اردو گنگا جمنی تہذیب کی علمبردار ہے۔ دیا شنکر نسیم، جگن ناتھ آزاد، فراق گورکھپوری، گوپی چند نارنگ، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، کرشن کمار طور اور مہندر پرتاپ چاند جیسے عاشقان اردو نے اردو کو گلے سے لگایا۔ اردو کو ہر قوم، ہر فرقے اور ہر دھرم کے لوگوں نے گنگا جمنی تہذیب کی بقا کیلئے ضروری قرار دیا۔ مہندر پرتاپ چاند کی ریاضت اور وسعت مطالعہ نے انہیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز کیا ہے۔ انہوں نے جو ادب تخلیق کیا ہے، وہ زندہ رہنے والا ہے، اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

اختر شاہجہانپوری
رنگین چوپال،
شاہجہاں پور 242001 (یوپی)

حصّۂ غزل

فُرقت کی شب کرب کے جاتے ہوئے لمحو!
کب لَوٹ کے آؤ گے مجھے پھر سے رُلانے؟

غـــزل

اک ایک پَل ہے مری جان کے لیے آزار
تمہارے ساتھ ہی رخصت ہوئے سکون و قرار

مرے دھڑکتے ہوئے دل کی خیر ہو، یا رب!
بُلا رہی ہے مجھے پھر وہ نرگسِ بیمار

ترس گئے ترے قدموں کی نرم آہٹ کو
اُداس اُداس ہیں اِس گھر کے اَب در و دیوار!

مہک رہے ہیں جو یہ زخم آرزوؤں کے
اِنہیں کے دم سے سلامت ہے عاشقی کا وقار

محبتوں سے نوازے گا کوئی کیا مجھ کو؟
کہ میرا سایہ بھی اب مجھ سے ہے بہت بیزار!

وہ جس کو اپنی کہانی سنا رہا ہوں میں
وہی ہے میری کہانی کا مرکزی کردار !

عطا کیا ہے جو تو نے وہ سب قبول مجھے
ہے بال بال تری رحمتوں پہ شکر گزار

مری انا کی عنایت ہے، چاؔند! کتنی گراں!
بھرے جہاں میں کوئی بھی نہیں مرا غم خوار!

غـــزل

میں نے کب اپنی وفاؤں کا صلہ مانگا تھا ؟
اک تبسم ہی ترا بہرِ خدا مانگا تھا !

کیا خبر تھی مری نیندیں ہی اُجڑ جائیں گی
میں نے کھوئے ہوئے خوابوں کا پتا مانگا تھا !

دستِ گُل چیں نے بھی گلشن سے وہی پھول چُنا
میں نے جس گُل کے لیے دستِ صبا مانگا تھا !

شدّتِ غم میں دعا کی تھی تجھے بھولنے کی
اب بھرے زخم، تو نادِم ہُوں یہ کیا مانگا تھا !

بس اسی بات پہ برہم ہے زمانہ مجھ سے
اپنے بدخواہوں کا بھی میں نے بھلا مانگا تھا !

اک گذارش بھی نہ ہو پائی قبول اس کے حضور
غالبًا میں نے ہی کچھ حد سے سوا مانگا تھا !

چُوڑیاں ٹوٹیں تو زخموں سے لہو رنگ ہوئی
جس ہتھیلی نے زرا رنگِ حنا مانگا تھا

تُو نے ہر غم سے نوازا ہے، ترا خاص کرم
مجھ کو تو یہ بھی نہیں یاد کہ کیا مانگا تھا

آفتیں سہنے کا یارا بھی تو دیتا، یارب!
اور تو کچھ بھی نہیں اس کے سِوا مانگا تھا

یہ الگ بات، ملا کربِ مسلسل، ورنہ
ہم نے جو مانگا بہ صد صدق و صِفا مانگا تھا

ذہن پر چاندؔ! پھر اک برق سی لہرانے لگی
دِل نے ماضی کے نہاں خانوں سے کیا مانگا تھا؟

غـــزل

عمر بھر حسینوں کے جھرمٹوں میں کھیلی ہے
عمر کی ڈھلانوں پر، زندگی اکیلی ہے

کس کے شوخ عارض کو چھو کر آ رہی ہے تُو؟
اے مری نظر! تیری ہر ادا نویلی ہے

اب تو اُس تعلق کو پھر بحال کر دیجے
اب تو ہم نے ہر تہمت اپنے سر پہ لے لی ہے

وجہِ فخر ہے مجھ کو یہ زرا سا رشتہ بھی
ورنہ اس زمانے میں کون کس کا بیلی ہے؟

روز نقش بنتے ہیں، اور مٹتے رہتے ہیں
زندگی کھلونا ہے، موت اک پہیلی ہے

دادِ سخت جانی دے، اب تو اے فلک! ہم کو
ہم نے ہر جفا تیری مسکرا کے جھیلی ہے

قہقہے حسینوں کے گونجتے تھے کل اس میں
آج خستہ و ویراں چاند! جو حویلی ہے

غـــزل

مجبوری، لاچاری لِکھ
لِکھ، روداد ہماری لِکھ

غیروں کو الزام نہ دے
اپنوں کی عیّاری لِکھ

سوچ جو ہلکی ہے تو کیا
غزلیں بھاری بھاری لِکھ

عیب نہ گِنوا اوروں کے
اپنی کارگزاری لِکھ

پہلے جھوٹے وعدے کر
پھر اپنی لاچاری لِکھ

چاہے حقیقت کچھ بھی ہو
اپنا پلڑا بھاری لِکھ

مئے خانہ کر اپنے نام
میرے نام خماری لِکھ

نرملا
کے نام

غم کی رہ گزاروں میں ساتھ چھوڑنے والے!
آج بھی کوئی تیرا انتظار کرتا ہے

اُجڑے گھر کے آنگن میں
ہری بھری پھلواری لِکھ

ہر منصب، ہر عہدے پر
اپنی دعوے داری لِکھ

مات پتا کو دے بن باس
خود کو آگیاکاری لِکھ

چاند کی خصلت میں، یارب!
کچھ تو دُنیا داری لِکھ!

غـــزل

جو نیکیوں سے بدی کا جواب دیتا ہے
خدا بھی اُس کو صِلہ بے حساب دیتا ہے

اسی کے حکم سے گھر بار اُجڑ بھی جاتے ہیں
وہی پھر اُن کو بسانے کے خواب دیتا ہے

بشر پہ قرض جو ہوتے ہیں کارہائے جہاں
تمام عمر وہ اُن کا حساب دیتا ہے

غرض یہ ہے نہ ہو فکر و عمل میں کوتاہی
خدا دلوں کو اگر اضطراب دیتا ہے

قصور اس میں بھی ہے والدین کا شاید!
جو بچہ ان کو پلٹ کر جواب دیتا ہے

کٹی ہے عمر عذابوں میں، دیکھنا ہے اب
مزید کیا دلِ خانہ خراب دیتا ہے !

وہ آزماتا ہے کانٹوں سے صبر انساں کا
پھر اس کے بعد مہکتے گلاب دیتا ہے

سوالِ دید و ملاقات کر چکے ہیں چاندؔ!
اب آگے دیکھئے وہ کیا جواب دیتا ہے!

غـــزل

رنجشوں نے جذبۂ اخلاص گرمایا بھی ہے
دوستی میں ہم نے کچھ کھویا ہے، کچھ پایا بھی ہے

اک زرا سی بات پر کیوں کر تعلق توڑ دوں؟
وہ پرانا یار بھی ہے، میرا ہمسایہ بھی ہے!

اِس طرف دیکھا تو ہے، بے شک حقارت سے سہی
شُکر ہے اتنا کرم تو اس نے فرمایا بھی ہے

یوں تو کچھ قیمت نہیں جنسِ وفا کی ہاں، مگر
جس قدر ارزاں ہے یہ اتنی گراں مایہ بھی ہے

سیر پھر بھی ہو نہیں پایا دلِ ایذا طلب
وقت نے جی بھر کے گو اِس پر ستم ڈھایا بھی ہے

ہجر کی شب اور یادوں کی سُرور آگیں پھوار
کچھ تو دل کی بے قراری کو قرار آیا بھی ہے

لاکھ موجوں کی بلاخیزی نے کی کھلواڑ بھی
اس نے کشتی کو مگر ساحل پہ پہنچایا بھی ہے

پھر بھی، یا رب! کیا ملے گا حاسدوں کے شہر میں
تاج تو شہرت کا تو نے مجھ کو پہنایا بھی ہے

کیوں نہ چاؔند! اپنی انا کو جان سے رکھّوں عزیز
یہ مرا ایمان بھی ہے، میرا سرمایہ بھی ہے

غـــزل

تُو نے اک بار اگر دل سے بلایا ہوتا
میں ترے سر کی قسم، سر کے بَل آیا ہوتا

زندگی بھر کی تمناؤں کا جو حاصل تھا
کاش وہ لمحہ پلٹ کر کبھی آیا ہوتا !

خاک ہی میں جو ملانا تھا مجھے آخرِ کار
آسمانوں پہ نہ یوں مجھ کو اُڑایا ہوتا

خودشناسی کی جو حسرت تھی، وہ حسرت ہی رہی
مجھ کو اے زیست! کبھی مجھ سے ملایا ہوتا !

مدتیں گزریں، دلِ زار کو ویران ہوئے
کاش اک جھونکا صبا کا ادھر آیا ہوتا !

یا نہ لکھنی تھی مقدر میں مرے رسوائی
یا مجھے تاج انا کا نہ پہنایا ہوتا !

دل تو کیا چیز ہے، ایک ایک نفس اُس کا ہے
اُس نے اے چاند! مگر حق تو جتایا ہوتا !

غـــزل

اشعار کی تخلیق میں، جلتا ہے جگر کیوں ؟
یارب! مجھے بخشا ہے یہ جان سوز ہُنر کیوں ؟

غم عشق کی سوغات ہے، سینے سے لگالے
پھُولوں کی تمنا ہے تو کانٹوں سے حذر کیوں ؟

کچھ حد سے سَوا ہیں میرے غم خوار یہ، ورنہ
رہتی ہے مرے حال پہ یاروں کی نظر کیوں ؟

گل جس کو سر آنکھوں پہ بٹھاتا تھا زمانہ
بیٹھا ہے سرِ راہ وہ اب خاک بہ سَر کیوں ؟

عارض کے گلابوں پہ اُداسی کی یہ شبنم
نم ناک ہیں آنکھیں تری آج اے گُلِ تر! کیوں؟

پھر کون گیا پچھلے پہر بزم سے اُٹھ کر؟
پھر سوگ کا عالم ہے یہ ہنگامِ سحر کیوں ؟

پتھر کے سِوا، چاندؔ! یہاں کچھ نہ ملے گا
بیٹھا ہے سجائے ہوئے شیشوں کا تُو گھر کیوں؟

غـــزل

رنج و غم سے جو ہمکنار ہوئی
زندگی اور با وقار ہوئی

حُسن کی آنکھ اشک بار ہوئی
عشق کی رُوح بے قرار ہوئی

وہ حقیقت جب آشکار ہوئی
بندگی میری شرمسار ہوئی

جِس کو تیری نظر نے چوم لیا
وہ کلی حاصلِ بہار ہوئی

ایسے لمحے بھی ہم پہ گزرے ہیں
جب تمنا بھی دل پہ بار ہوئی

یاد آئی جو تیری پہلی نظر
چشمِ اُمید کیف بار ہوئی

چاندؔ! ہر جُرمِ آرزو کے بعد
رُوحِ احساس سوگوار ہوئی

غـــزل

کبھی کبھی دانستہ غم کو گلے لگانا پڑتا ہے
ہنستے ہنستے اپنے لہو میں آپ نہانا پڑتا ہے

پیار میں گاہے جان بوجھ کر دھوکا کھانا پڑتا ہے
بے بنیاد امیدوں سے بھی دل کو رجھانا پڑتا ہے

ہنس ہنس کر ہر جبر کو سہنا اور لبوں کو سی لینا
دل کے گہرے زخموں کو یوں بھی سہلانا پڑتا ہے

وقت کے ہاتھوں من کے سپنے چُور چُور جب ہو جائیں
لَوٹ کے خوابوں کی دنیا سے، ہوش میں آنا پڑتا ہے

دل بھی دُکھاتا ہے وہ خودسر، روٹھ بھی جاتا ہے اکثر
ارمانوں کا گلا گھونٹ کر اسے منانا پڑتا ہے !

لاکھ ستم ہم پر وہ توڑے، لاکھ کرے مایوس ہمیں
پھر بھی چاند اُسی کے در پر لَوٹ کے آنا پڑتا ہے

غـــزل

کچھ غیر سا ہے اب کے ہواؤں کا چلن بھی
ماحول کے سینے میں جلن بھی ہے گھٹن بھی

لازم ہیں محبت کے لیے رنج و محن بھی
دیتی ہے عجب لطف یہ کانٹوں کی چبھن بھی

ابھری ہے پھر اک ڈوبتے منظر سے وہی یاد
چھوٹا تھا جو بچپن میں حسیں اپنا وطن بھی

ہیں مرے لب و لہجہ سے، گفتار سے ناخوش
خود ساختہ استاد بھی، اربابِ سخن بھی

نکتہ کوئی سمجھاؤ تو ہو جاتے ہیں برہم
خود سر ہیں بہت آج کے طلبائے سخن بھی

اظہارِ تشکر

- پروفیسر مامون ایمن
- جناب اختر شاہجہاں پوری
- ڈاکٹر شباب للت
- سید ڈاکٹر حسن عباس گوپال پوری
- ڈاکٹر کمار پانی پتی
- ڈاکٹر رانا گنوری
- عزیزی منگل نسیم

پنچھی نے بہت دُور کیا جا کے بسیرا
شاخیں ہوئیں ویران تو سنسان چمن بھی

یہ ملک کے غدّار خدا ان سے بچائے
دولت کے لیے بیچ کے کھا جائیں وطن بھی

نکھرا ہے ترا روپ مرے شعر میں ڈھل کر
سنورا ہے ترے جذب سے ہر نقشِ سخن بھی

اے چاندؔ! نئے پن کا یہ انداز مبارک
ہاں ذہن میں کچھ رکھیے روایاتِ کہن بھی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

غـــزل

یہ کیا کہ تُو نے ستم سے بھی ہاتھ کھینچ لیا
یہی تو ربط تھا ہم میں، سو یہ بھی ختم ہُوا

رفیقِ زندگی اس کا بچھڑ گیا ہو گا
اُداس بیٹھا ہے پنچھی جو شاخ پر تنہا !

ہر ایک بات میں کچھ مصلحت بھی ہوتی ہے
عجب ہی کیا ہے کہ تو نے بھی ساتھ چھوڑ دیا

وہ بوڑھا پیڑ تھا پُرکھوں کی شفقتوں کا امیں
اسی کو بیٹوں نے جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا

پرائی ہو گئیں اب اُس دیار کی گلیاں
گزرتے لمحوں کی آہٹ نے یہ پیام دیا

ترس رہا ہوں میں پھر سے تری توجہ کو
بہت عزیز ہے مجھ کو یہ خواہشِ بے جا

رہی نہ رشتوں میں پھر وہ خلوص کی گرمی
جو ایک بار کسی پر سے اعتبار اٹھا

پٹک رہی ہے سر اپنا پھر ایک ننھی کلی
چُرا کے لے گیا خوشبو جو من چلا بھنورا

وہ رُوبرُو تھا مرے، یوں تو چاند! تا بہ سحر
تمام رات مگر اس کا انتظار رہا !

غـــزل

آسماں قہر پر قہر ڈھاتا رہا
میں کہ صدمے مسلسل اٹھاتا رہا

اب وہ قدریں زمانے سے رخصت ہوئیں
جن پہ دل میرا ایمان لاتا رہا

دل کے تاریک گوشوں میں چھپ کر کوئی
آس کے بجھتے دیپک جلاتا رہا

سننے والے نہ تھے اہل اِن کے، مگر
گیت سازِ وفا پہ میں گاتا رہا

وقتِ رخصت کا منظر! کہ میں دیر تک
ہاتھ اپنا ہوا میں ہلاتا رہا!

خوب دولت گھٹالوں میں لُوٹی مگر
آبرو کا اثاثہ تو جاتا رہا !

میرے کردار کی ساکھ بے داغ ہے
دل میں شیطان گو سر اٹھاتا رہا

نعمتوں کی تو بخشش بہت اُس نے کی
میں ہی خود ان کو ٹھوکر لگاتا رہا

راہِ ہستی کے ہر موڑ پر اک نہ اک
ہم سفر چھوڑ کر ساتھ، جاتا رہا

غـــزل

چلچلاتی دھوپ، منزل دُور، تنہا راستے
دیکھتے ہیں ہم فقیروں کا تماشہ، راستے

فرق نیّت میں جو آ جائے تو ہے یہ بات الگ
ورنہ مِل جانے کو مِل جاتے ہیں صدہا راستے

آ رہے ہیں یاد پھر بچھڑے ہوئے کچھ ہم سفر
ڈس رہے ہیں آج پھر مجھ کو یہ تنہا راستے

مصلحت آمیز ہے رسمِ وفا بھی یہ آج کل
دوستی کی آڑ میں نکلے ہیں کیا کیا راستے!

شرط ہے ذوقِ سفر، عزمِ جواں، ترکِ مقام
منزلیں کرتی ہیں بڑھ کر خود ہی پیدا راستے

دوسروں کے درد میں ہوتا نہیں کوئی شریک
اپنے مطلب کو نکل آتے ہیں صدہا راستے

چاندؔ! اپنی زیست اک بہتے ہوئے دریا سی ہے
پتھروں میں بھی جو کر لیتا ہے پیدا راستے

غـــزل

شیشۂ دل سے کوئی یاد جو ٹکراتی ہے
میرے احساس پہ اک برق سی لہراتی ہے

جو اندھیرے میں اُجالے کی کرن لاتی ہے
وہ خوشی دل پہ کئی تازہ ستم ڈھاتی ہے

رِت نئے بھیس بدلتی ہے مگر سچ تو ہے یہ
زندگی اپنے گناہوں کی سزا پاتی ہے

آرزو صبحِ سکوں کی جو میں کرتا ہوں کبھی
درد کی شام، دبے پاؤں چلی آتی ہے

آئنہ اہلِ معائب کو دِکھانے والو !
اِس میں تصویر تمہاری بھی نظر آتی ہے !

اجنبی بن کے جب اپنے ہی چُراتے ہیں نظر
روحِ احساس کی ہر چوٹ اُبھر آتی ہے

کِس نے مہکا دیا اے چاندؔ! گلستانِ خیال ؟
کِس کی یادوں سے یہ خوشبوئے وفا آتی ہے ؟

غـــزل

بند کیا مجھ پر، تری رحمت کا دروازہ ہُوا
پارہ پارہ سب، مری ہستی کا شیرازہ ہُوا

اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو کم نصیبی کا ثبوت ؟
حرفِ تحسیں بھی مرے حق میں اِک آوازہ ہُوا !

دوستو! شاید ہمیں آداب سے واقف نہیں !
آپ کے آداب سے ہم کو یہ اندازہ ہُوا

پھُول تو کھلتے رہے، اپنی مُرادوں کے، مگر
زخمِ دل کچھ اور بھی، کچھ اور بھی تازہ ہُوا

چھِن گئی جب زندگی سے درد کی میراث بھی
چاندؔ! مجھ کو اپنی محرومی کا اندازہ ہُوا !

غـــزل

یہ لُوٹ مار، یہ دہشت بھری فضا، کیا ہے ؟
یہ کیسا دَور ہے یا رب! ہمیں ہُوا کیا ہے ؟

اُسی نے آگ لگائی ہے ساری بستی میں
وہی یہ پُوچھ رہا ہے کہ ماجرا کیا ہے ؟

یہ تیرا ظرف کہ تُو پھر بھی بدگماں نہ ہُوا
سِوائے درد کے میں نے تجھے دیا کیا ہے ؟

لپک کے چھین لے حق اپنا بدلحاظوں سے
بڑھا کے ہاتھ اٹھا جام، دیکھتا کیا ہے !

بھُلا دیا ہے جو تُو نے تو کوئی بات نہیں
مگر میں جانتا! آخر مِری خطا کیا ہے؟

فہرست

- ارشادات
- مہندر پرتاپ چاندؔ کی غزل کا اسلوب.....مامونؔ ایمن 7
- مہندر پرتاپ چاندؔ کی شاعری پر ایک نظر...اخترؔ شاہجہاں پوری 15

- حصّہ غزل 24
- حصّہ نظم 88
- نذرِ جاناں 114
- متفرق اشعار 124

عجیب شخص ہے کردار مانگتا ہے مرا
سوائے اِس کے مرے پاس اب بچا کیا ہے؟

کُرید کر مرے زخموں کو یوں سوال نہ کر
تجھے خبر ہے تو پھر مجھ سے پوچھتا کیا ہے؟

متاعِ غم کو بچا رکھ، چھپا کے سینے میں
تو اِس خزانے کو اوروں میں بانٹتا کیا ہے!

ہزار نعمتیں اس نے تجھے عطا کی ہیں
اب اور چاندؔ! تو اُس در سے مانگتا کیا ہے؟

غـــزل

طریقِ عشق میں برباد ہونا پڑتا ہے
گلوں کی چاہ میں کانٹوں پہ سونا پڑتا ہے

بس ایک لمحہِ راز و نیاز کی خاطر
بشر کو مدتوں چھپ چھپ کے رونا پڑتا ہے

ضمیر بیچ کے منصب تو مل ہی جائے گا
وقار پہلے مگر اس میں کھونا پڑتا ہے

ہے بدلحاظ یہ دنیا کہاں پہ جائے کوئی ؟
قدم قدم پہ یہاں خوار ہونا پڑتا ہے

پرائے درد میں ہوتا نہیں شریک کوئی
غموں کے بوجھ کو خود آپ ڈھونا پڑتا ہے

یہ فاقہ کش کہ جنہیں حیف! خود فریبی میں
شکم کی سیری کو پانی بلونا پڑتا ہے

معاشرے کا ہو ناسور یا بدن کا ہو گھاؤ
علاج کے لیے نشتر چبھونا پڑتا ہے

پسارے ہاتھ تو پھرتے ہو مال وزر کے لیے
بالآخر اِن سے مگر، ہاتھ دھونا پڑتا ہے

یہ سچ ہے چاندؔ! شگفتہ غزل جو کہنی ہو
قلم کو خونِ جگر میں ڈبونا پڑتا ہے

غـــزل

تری عطاؤں کا یا رب! کوئی شمار نہیں
یہ دل ندیدہ ہے پھر بھی جسے قرار نہیں

ہے اک سرورِ دوامی شکستگی دل کی
یہ وہ خزاں ہے جو منّت کشِ بہار نہیں

فریب کھائے ہیں اپنوں سے عمر بھر میں نے
یہ میرا ظرف کہ پھر بھی گلہ گزار نہیں

ہے چندروزہ یہ عیش و طرب کا ہنگامہ
کبھی پلٹ کے جو آئے یہ وہ بہار نہیں

مری حیات کی محرومیوں کا سوگ نہ کر
یہ تشنگی مری ہستی کو ناگوار نہیں

اَلم نواز طبیعت کو راس کیا آئے
وہ زندگی جو حوادث سے ہم کنار نہیں

رہا ہے جذب جو قلب ونظر میں برسوں، چاندؔ!
یہ کیا کہ اب مجھے اس کا بھی انتظار نہیں !

غـــزل

کوئی جتن، کوئی تدبیر کارگر ہی نہیں
مرے خلوص میں شاید کوئی اثر ہی نہیں

حواس گم ہیں، زباں بند، منتشر افکار
کوئی بھی چیز اب اپنے مقام پر ہی نہیں

کرے بھی کوئی تو اب کس کا اعتبار کرے؟
کسی زباں پہ کوئی حرفِ معتبر ہی نہیں!

مبالغے، یہ ستائش، یہ کھوکھلی تنقید
پرکھنے والی وہ بے لاگ اب نظر ہی نہیں!

کِھلے ہیں پھول تو آنگن میں ہر برس کی طرح
بھرا پُرا سا جو لگتا تھا اب وہ گھر ہی نہیں !

یہ دل شکستگی! یہ ہولناک تنہائی!
اُداسیوں سے کسی طَور اب مَفَر بھی نہیں

وہ ساحلوں سے ابھی تک پکارتا ہے مجھے
میں کب کا ڈوب چکا ہوں، اسے خبر ہی نہیں!

نہ جانے زد میں کس آسیب کی ہے دل کی مراد!
ہو بارور کسی رُت میں، یہ وہ شجر ہی نہیں

حیات و موت کا یہ سلسلہ عجب ہے، چاندؔ!
کبھی جو ختم بھی ہو گا، یہ وہ سفر ہی نہیں

غـــزل

روز و شب اور نئے ارض و سما مانگے ہے
آج کا دَور نئی آب و ہوا مانگے ہے

اپنی بے چارگی کا یُوں تو ہے احساس بہت
پھر بھی دل تجھ سے وہی عہدِ وفا مانگے ہے!

دھوپ میں جھلسی ہوئی شاخ پہ افسردہ کلی
پھول بننے کے لیے دستِ صبا مانگے ہے

ہر کوئی یوں تو ہے برگشتۂ حالات، مگر
ہر کوئی جینے کی ہر لحظہ دعا مانگے ہے

آہ! وہ والد بے زر کہ جواں بیٹی کے
سُونے ہاتھوں کے لیے رنگِ حنا مانگے ہے

یہ نئے طَور، یہ انداز مجھے راس نہیں
میری تہذیب وہی شرم و حیا مانگے ہے

سینکڑوں نعمتوں سے اس نے نوازا ہے تجھے
اور اب چاندؔ! تُو اللہ سے کیا مانگے ہے ؟

غـــزل

ترے خیال نے احسان لاجواب کیا
نفس نفس کو مرے وقفِ اضطراب کیا

عدو کا حرفِ ملامت بنا مری شہرت
اسی نے خاک کے ذرّے کو آفتاب کیا

تری نظر کو نظر لگ نہ جائے دنیا کی
بھرے جہاں میں جو میرا ہی انتخاب کیا!

قدم قدم پہ رہی جستجوئے نام و نمود
اِسی ہوس نے ہمیں عمر بھر خراب کیا

ازل کے دن سے اندھیرے مرا مقدر تھے
تری نظر نے مجھے رشکِ ماہتاب کیا

گلہ کیا تھا تغافل کا، چاندؔ! کیوں اس سے
تجھی کو اشک ندامت نے آب آب کیا !

غـــزل

کِس موڑ پر یہ لائی ہے مجھ کو مری حیات ؟
تڑپا رہے ہیں جی کو بکھرتے تعلقات

ہر دل اُداس اُداس ہے، ہر آنکھ اشکبار
کس درجہ سوگوار ہے کُل بزمِ کائنات!

لاتی ہے کیا پیام نیا، دیکھیے، سحر
وحشت سی دل پہ چھائی رہی ہے تمام رات

گو میری دسترس سے نہ تھا دُور وہ گلاب
چھو لینے کو ترستے رہے پھر بھی میرے ہات !

کیوں کر گلہ کروں تری بیگانگی کا میں
مجھ میں ہی اب رہی نہ کوئی دل کشی کی بات !

ہر گام پر ہیں خون کے چھینٹے بچھے ہوئے
اب اور کیا ہے دیکھنے کو اے رہِ حیات؟

رقصاں ہیں ذہن میں وہ مرادوں کے روز و شب
پھر یاد آ رہا ہے ترا حسنِ التفات

مایوس ہو نہ زیست کی محرومیوں سے چاندؔ!
حاصل ہُوا ہے دہر میں کس چیز کو ثبات؟

''...جاتے ہوئے لمحو!'' میں
مہندر پرتاپ چاندؔ کی غزل کا اسلوب

*مامونؔ ایمن، (نیویارک)

مہندر پرتاپ چاندؔ کی غزل کا ربط روایتِ غزل سے تو ہے بجا، لیکن ایک بالکل الگ رنگ کے ساتھ۔ سانسوں کی طرح، غزل اس کی زندگی ہے، اس کی زندگی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس پر یہ لازم ہے کہ وہ سانسوں کا تواتر برقرار اور درست رکھنے کیلئے، غزل کے آداب بھی اپنی جان سے لگائے رکھے، ہر سانس پر ان کا احترام کرے اور روِہ پاسداری کے واسطہ سے اس کی آبرو کو اپنی جان کی پہچان بنائے رکھنے کی شعوری کوشش بھی اور لاشعوری کوشش بھی جاری رکھنے کی جستجو میں ہمہ تن مصروف رہے۔ وہ غزل نہ کہنے پر، خود سے نا آشنا ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ اس مختصر سی براہِ راست تمہید کا تعلق غزلِ چاندؔ کے معیار یا اسلوب سے نہیں، اس کی زندگی کے ہر لمحہ کروٹیں لینے والے جذبات سے ہے، جو کبھی کسی گُنبد میں سفر کرتے ہیں تو کبھی کسی سراب میں۔ گہے راہ میں سفر کے دوران، وہ کسی موڑ پر بکھری گہری چھاؤں کے نیچے دم بھی لیتے ہیں۔ نیز، اپنی مطلوبہ منزل پانے کے بعد بھی، ایک نئے سفر پر روانہ ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ ان سب مدارج اور مراحل میں گنجل ہیں، جن کا وجود، چاندؔ کی فطرت اور مزاج کا ترجمان ہے۔ یہ ترجمانی، چاندؔ کے کردارِ تخلیق کی وضاحت کرتی ہے۔ یوں الفاظ — ''خواب، ثواب، گناہ'' اس کے اسلوب غزل کے انسلا کی

---

* (شمالی امریکہ میں اردو ادبی سرگرمیوں کے بانی جناب مامونؔ ایمن نیویارک میں انگریزی پڑھاتے ہیں۔ اردو، پنجابی، انگریزی میں شعر کہتے ہیں۔ رباعی گوئی میں شہرت رکھتے ہیں اور نقد و نظر کے حوالے سے ایک معتبر شخصیت ہیں۔)

غـــزل

گئے دنوں کی رفاقت میں کس طرح بھولوں؟
شکستِ ربط کا الزام کس کے سر پہ دھروں؟

تمام دن رہے احساس بے بسی کا مجھے
تمام رات جدائی کے خواب دیکھا کروں

بس ایک ننگ شجر، خشک ڈال ہوں اب تو
تری نگاہ جو چھو جائے پھر سے جی اُٹھوں

ہے اور بات کہ اب یہ نہیں قبول تجھے
تجھی نے چاہا تھا تا عمر تیرے ساتھ رہوں!

جو حق تھا تجھ پہ مرا، وقت نے وہ چھین لیا
گِلہ جو تجھ سے کروں اب تو کس بنا پہ کروں؟

متاعِ زیست ہے ہر بے ثمر تمنّا اب
یہی بجا ہے اِنہیں کو گلے لگا کے جِیوں

تمہارے جتنے مصائب ہیں میرے نام لکھو
میں اپنی ساری دعائیں تمہارے نام کروں

بھرے جہاں میں جو میرا ہی انتخاب کیا
تری نظر کو نہ کیوں بار بار سجدہ کروں؟

زرا بھی جس میں ہو رحم و کرم کی آمیزش
کبھی نہ چاندؔ! میں ایسی عطا قبول کروں

غـــزل

سکون و صبر تو ہر شخص تار تار کرے
کوئی کرے بھی تو اب کس پہ اعتبار کرے؟

ابھی کچھ اور حوادث ہیں میرے حصے میں
اجل سے کہہ دو ابھی میرا انتظار کرے

بھُلا دیا ہے جو تو نے تو کچھ ملال نہیں
پرانے زخم بھلا کوئی کیوں شمار کرے؟

خفا ہُوں میں تو کوئی مجھ کو پوچھتا ہی نہیں
خفا ہو تم تو یہ دل مِنّتیں ہزار کرے

خطائیں مجھ سے ہوں کتنی بھی، درگزر کر دوں
مگر وہ سہو جو خود مجھ کو شرمسار کرے !

جگا کے خواب نئے میرے سونی آنکھوں میں
یہ آرزو ہے کوئی پھر سے بے قرار کرے!

کسی کی قربتوں کے بعد پھر بچھڑنے کا
ہے ایسا لمحہ جو تاعمر سوگوار کرے

ہے وجہِ فخر مجھے چاند ہر عمل ایسا
نگاہِ وقت میں جو مجھ کو باوقار کرے

غـــزل

(نذر داغؔ)

جہاں کے سامنے اونچا مرا وقار کیا
جو اپنے بندوں میں تُو نے مجھے شمار کیا

لگا رہا ہوں سر آنکھوں سے اس دیار کی خاک
شعارِ عشق یہیں میں نے اختیار کیا

جھکایا سر نہ کبھی مصلحت کے زیرِ اثر
نہ میں نے دامنِ غیرت کو داغدار کیا

ہر ایک شخص کو ہے دوسروں کے حق کی طلب
چلن یہ کیسا زمانے نے اختیار کیا؟

تھی پُر فریب بہت آرزوئے نام و نمود
اسی ہوس نے سبھی کو ذلیل و خوار کیا

نہ تھی امید کوئی، تُو پلٹ کے آئے گا
تمام عمر مگر دِل نے انتظار کیا!

ہر ایک رنج اٹھایا رہِ محبت میں
کہ ہم نے آگ کا دریا بھی ہنس کے پار کیا

برا ہو وقت تو سایہ بھی دُور رہتا ہے
ترے سلوک نے مجھ پر یہ آشکار کیا

ہزار بار کیے تو نے جھوٹے قول و قرار
ہزار بار مگر دل نے اعتبار کیا

گلہ کیا تھا تغافل کا چاندؔ! کیوں اُس سے
اُسی کے اشکوں نے اب تجھ کو شرمسار کیا!

غـــزل

فریبِ نو کے بھنور میں اتارتا ہے مجھے!
یہ کون پچھلے پہر پھر پکارتا ہے مجھے؟

شکستہ حال ہوں، رنج والم سے چُور ہوں میں
نگاہِ لطف سے اب کیا سنوارتا ہے مجھے!

نظر پہ اپنی چڑھاتا ہوں جس قدر اُس کو
اُسی قدر وہ نظر سے اُتارتا ہے مجھے

میں کب کا ڈوب چکا ہوں، اُسے خبر ہی نہیں
جو ساحلوں سے ابھی تک پکارتا ہے مجھے

اُسی کی یاد ہے میری حیات کا حاصل
جو بے نیاز تغافل سے مارتا ہے مجھے

میں صلح و امن کا شیدائی ہوں، مرے رہبر!
فساد و فتنہ پہ تُو کیوں ابھارتا ہے مجھے؟

ملا ہے مدتوں کے بعد، کچھ غرض ہوگی!
کس انکسار سے دیکھو نہارتا ہے مجھے!

اِسے میں خاص کرم میں شمار کرتا ہوں
جو تو مراحل غم سے گزارتا ہے مجھے

وہ چاہتا ہے، گہریاب ہو کے ابھروں میں
سمندروں کی جو تہہ تک اُتارتا ہے مجھے

پُنم کی رات کا یہ فیض، نُور افشاں چاند
کسی حسین خطا پر ابھارتا ہے مجھے!

غـــزل

مری انا کا وہ کتنا خیال رکھتا ہے
ہر اک بات کو اکثر اچھال رکھتا ہے

میری بساط ہی کیا؟ بے نوا فقیر ہوں میں
تُو حکمران ہے، جاہ و جلال رکھتا ہے

میں بے گناہ تھا، اس پر بھی اعتراف کیا
مگر وہ دل میں ابھی تک ملال رکھتا ہے

سیاسی نیتا ہے، وعدوں سے پیٹ بھر دے گا
وہ اس ہنر میں غضب کا کمال رکھتا ہے

اسیرِ غم نہ رہے کیوں؟ کہ رنجشیں اپنی
وہ بھولتا نہیں، سینے میں پال رکھتا ہے

امید کیجئے کیا ایسے مہرباں سے کہ جو
ہر ایک بات کو فردا پہ ٹال رکھتا ہے

ہے کوئی مصلحت اس میں، اگر ہے چپ، ورنہ
وہ اپنے دل میں ہزاروں سوال رکھتا ہے

سرُور بخش سہی اس کی ابتدا، لیکن
محبتوں کا سفر سَو وبال رکھتا ہے

مسائل اپنے تُو مولا پہ چھوڑ دے، اے چاؔند!
وہ کارساز ہے، سب کا خیال رکھتا ہے

الفاظ ٹھہرتے ہیں۔ یوں ''چاند کی غزل،'' خواب، ثواب، گناہ'' کی ایک تکون بن جاتی ہے۔ اس کتاب کے دونوں متوازی زاویے زمین کے قدم چومتے ہیں اور تیسرا عمودی زاویہ خالقِ کُل سے گفتگو کرتا نظر آتا ہے۔ لفظ ''تصوف'' ایک عام سا سروّج لفظ ہے۔ اس لفظ کی راہ سے جُوئے فرد کو ''صوفی'' کہا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی نقاد چاندؔ کو صوفی کہہ کر اس کی غزل کو تصوف کے نام سے موسوم کردے، اس مضمون نگار کیلئے ایسا کرنا ممکن نہ ہوگا کہ چاندؔ نہ صوفی ہے اور نہ ہی اس کی غزل تصوف سے مربوط ہے — ہاں، یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے صاف خیالات اور پیاموں سے نفس اور معاشرہ کیلئے ایک ''صاف'' راہ کی تلاش اور بعدہٗ اس کی نشاندہی کیلئے کوشاں ضرور ہے۔ اس صاف راہ میں ثواب و گناہ آنکھوں سے گزر کر، دل کی گہرائی میں اتر جانے والے افعال و اعمال موج زن بھی ہوں گے اور رقص فرما بھی۔ اس رقص کا رشتہ خوشی سے نہیں، سرخوشی سے ہوگا، جو دنیاوی مصائب و آرام کی رَد کیلئے، تضاد کا جواز فراہم کرے گا، دلیلوں اور مثالوں کے ساتھ۔

جو نیکیوں سے بدی کا جواب دیتا ہے
خدا بھی اُس کو صِلہ بے حساب دیتا ہے

اس مطلع میں ایک نہایت صاف سی بات، پیغام کی صورت میں، قاری تک پہنچتی ہے — نیکیوں سے بدی کا جواب دینے والے شخص کو خدائے پاک بھی اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔ پہلے مصرع میں ''سبب'' ہے اور دوسرے مصرع میں ''نتیجہ''۔ صراحت کی راہ میں دونوں مصرعوں کو آگے بڑھایئے۔ پہلے مصرع کے متن کا ''مخاطب'' کون ہے — مخاطب وہ شخص ہے جو ذی شعور ہے اور درست و نادرست کی تمیز رکھتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ نیکی اور بدی میں کیا فرق ہے۔ دوسرے مصرع میں ''نتیجہ'' ہے۔ (دونوں مصرعوں میں فعل حال کے رواں، جاری صیغے ہیں، یعنی ان میں نہ ماضی کا کوئی حوالہ ہے اور نہ ہی مستقبل کی کوئی پیش گوئی — یوں شاعر مجوزہ ''سبب/نتیجہ'' کو ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کرتا ہے کہ وہ معاشرتی اصولوں کو ہر عہد کا پابند کردے — نیکی اور بدی کے اصول، شرائط اور عمل و ردِّ عمل ازل سے مربوط ہیں۔ ان کے معانی اور مفاہیم میں کوئی شبہ نہیں۔ ''سبب/نتیجہ'' کی ضمن میں، یہ مثالیں بھی واضح ہیں، خوب ہیں۔

بشر پہ قرض جو ہوتے ہیں کارہائے جہاں
تمام عمر وہ اُن کا حساب دیتا ہے

غـــزل

قہقہہ بھی ہے، دیدۂ نم بھی
زندگی جشن بھی ہے، ماتم بھی

پھول بھی شُول بَن کے چبھتے ہیں
ایک آتا ہے ایسا موسم بھی

زندگی سرفراز ہے اس سے
ایک نعمت ہے وقت کا غم بھی

کھُل گیا رازِ دل سرِ محفل
کام آیا نہ ضبطِ پیہم بھی

بارِ خاطر ہوئی کبھی راحت
راس آیا ہے بارہا غم بھی

کیا کہوں آپ کی عنایت کو؟
کچھ زیادہ ہے اور کچھ کم بھی

زخم بھی وقت کی نوازش ہے
وقت ہی بخشتا ہے مرہم بھی

دل نے پھر آج کس کو یاد کیا؟
دھڑکنیں تیز بھی ہیں، مدھم بھی

اس کا غم ہو اگر نصیب اے چاندؔ!
ہیچ ہے راحتِ دو عالم بھی

غـــزل

کس نے کتنا ساتھ نبھایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول
کس نے کس کا دل تڑپایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

کس نے توڑا عہدِ محبت؟ کس نے بھلایا قولِ وفا؟
کس نے اپنا وچن نبھایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

پیار کی پونجی سے ہم دونوں، کتنے مالا مال ہوئے!
کہاں گیا وہ سب سرمایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

وہ بھی دَور تھا، میری خاطر، وقف تھے جسم و جاں تیرے
اب کیوں غیر ہوئی وہ کایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

ہجر کی راتوں میں خوں افشاں، رہتی تھیں کس کی آنکھیں؟
کس نے کتنا خون جلایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

تارتار ہے کس کا دامن، زخم زخم ہے کس کی روح؟
کس نے کس پر تیر چلایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

کتنی آسانی سے تُو نے، سارے رشتے توڑ دیے
میں کیوں تجھ کو بھول نہ پایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

اندھیارے کی سیج بچھی ہے، من مندر کے آنگن میں
کس نے اسکا دیپ بجھایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

چاندؔ! یکا یک بال آیا کیوں، رشتوں کے آئینے میں؟
کس نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟ میں کیا بولوں؟ تو ہی بول

غـــزل

جذبۂ دید کو اس طَور ابھارا جائے
ہم جدھر جائیں، اُدھر اُن کا نظارہ جائے

باہمی رشتوں کی خوشبو کو کوئی نام نہ دو
اس تقدس کو نہ کاغذ پہ اتارا جائے

سینکڑوں نام ترے، اور ہے بے نام بھی تُو
کون سے نام سے اب تجھ کو پکارا جائے؟

رقص کرتی ہے، لہکتی ہے عجب مستی میں
کشتیِ دل کو بھنور میں جو اتارا جائے

میری غیرت کو کسی طور گوارا ہی نہیں
تنگ دستی میں بھی ہاتھ اپنا پسارا جائے

دل کے سوئے ہوئے ارمانوں نے انگڑائی لی
زندگی! آ تجھے شیشے میں اتارا جائے

صبحِ روشن کو تو آنا ہے، وہ آئے گی ضرور
اس بھروسے پہ شبِ غم کو گزارا جائے

آئنہ دیکھ کے ناحق یہ بگڑنا کیسا؟
گرد آئینے پہ ہے، اس کو اتارا جائے

اپنے پُرکھوں کی عنایات کی تعظیم کرو
یہ ہے وہ قرض جو صدیوں نہ اتارا جائے

آج کے دَور میں واجب ہے یہی چاند! کہ ہم
ساتھ دیں اِس کا جدھر وقت کا دھارا جائے

غـــزل

اک لفظِ محبت کے بنے لاکھ فسانے
تہمت کے بہانے، کبھی شہرت کے بہانے

کسی کو یہ خبر تھی کہ بکھر جائیں گے پل میں!
آنکھوں نے سجا رکھے تھے جو خواب سہانے

اک زخمِ جدائی ہے کہ ناسور بنا ہے
کرتا ہوں تجھے یاد اسی غم کے بہانے

اقدار کا فقدان، ہَوسناکی و وحشت
سب پردے ہٹا رکھے ہیں اب شرم و حیا نے

فرقت کی شبِ کرب کے جاتے ہوئے لمحو!
کب لوٹ کے آؤ گے مجھے پھر سے رُلانے؟

بھانے لگی جب دل کو ذرا بزم کی رونق
تنہائی مری آ گئی پھر مجھ کو منانے

وہ گُل ہُوں جو ٹھہرایا گیا تنگِ بہاراں
پامال کیا خود ہی جسے بادِ صبا نے

شاکر ہوں میں ہر حال میں، راضی بہ رضا ہوں
تسکین کی دولت مجھے بخشی ہے خدا نے

آزارِ غمِ دل کو نہ ہونا تھا شفایاب
کچھ کام کیا چاندؔ! دوا نے نہ دعا نے!

غـــزل

بجلیوں کے سایے میں آشیاں بنانا ہے
آندھیوں کی زد میں پھر اک دیا جلانا ہے

رنجشوں کی اپنی ہی دل کشی ہے رشتوں میں
روٹھنے، منانے میں لطف اک یگانہ ہے

قہقہے تھے ہر جانب، اب اُداس ہے آنگن
وہ بھی اک زمانہ تھا، یہ بھی اک زمانہ ہے

اک عجب فریضہ ہے، زیست کی مسافت بھی
خاردار ہیں راہیں، اور دُور جانا ہے!

قصّۂ غمِ ہجراں، ذکرِ کربِ تنہائی
تو ہی جب نہیں سنتا، پھر کسے سنانا ہے؟

کیا ملے گا اِس در سے؟ اس کی فکر لا حاصل
یہ شرف بھی کیا کم ہے؟ تیرا آستانہ ہے

کون بُوجھ پایا ہے چاندؔ! اس پہیلی کو
کتنے سانس باقی ہیں؟ کتنا آب و دانہ ہے؟

غـــزل

آنسوؤں کے سانچے میں درد جب بھی ڈھلتا ہے
پھر کسی بھی پہلو سے دل کہاں سنبھلتا ہے!

رنجشیں بڑھانے سے، کیا ملا ہمیں آخر ؟
میں بھی ہاتھ مَلتا ہوں، تو بھی ہاتھ مَلتا ہے !!

جاہ و دولت و حشمت، خوب ہیں مگر کب تک؟
تابناک سورج بھی وقتِ شام ڈھلتا ہے!

خود ہی چھین لیتا ہے نعمتیں عطا کر کے
اُس کے حکم کے آگے کس کا زور چلتا ہے؟

بڑھ کے منزلیں خود ہی، لیتی ہیں قدم اس کے
ایک بار گِر کر جو بارہا سنبھلتا ہے

بُرا ہو وقت تو سایہ بھی دُور رہتا ہے
ترے سلوک نے مجھ پر یہ آشکار کیا

-

تھی پُر فریب بہت آرزوئے نام و نمود
اسی ہوس نے سبھی کو ذلیل و خوار کیا

بجا' یہ تینوں اشعار ہی ''سبب و نتیجہ'' کے زمرے میں آتے ہیں، لیکن یہ شاعر کے ذاتی مشاہدات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔

یہ شاعر اب ''تجربات'' کی عمر اور اشغال سے گذر چکا ہے۔ وہ اب خود کو مشاہدات سے منسوب و مرہون رکھنا چاہتا ہے، مثلاً: ''(یہ زندگی جشن ہے، ماتم ہے، قہقہہ ہے اور دیدۂ نم ہے/ ایک موسم ایسا بھی آتا ہے جس میں پھول شُول بن کر چبھتے ہیں/ کبھی راحت راس آتی ہے اور کبھی غم/ زخم، وقت کی نوازش ہے/ اس مہربان سے (کرم کی) کوئی امید کیا رکھے کہ وہ ہر بات فردا پر ٹال دیتا ہے/ ابتدا میں محبتوں کا سفر سُرور بخش ہوتا ہے لیکن اس میں سَو وبال بھی ہوتے ہیں/ کسی کی قربتوں کے بعد بچھڑنے کا لمحہ تا عمر سوگوار رکھتا ہے/ اے رہِ حیات! ہر گام پر خون کے چھینٹے بچھے ہیں/ آج کا دور نئے ارض و سما مانگتا ہے/ ہر شخص برگشتۂ حالات ہونے کے باوجود، ہر لحظہ جینے کی دعا مانگتا ہے/ عیش و طرب کا یہ ہنگامہ چند روزہ ہے جو بہار کی طرح پلٹ کر نہیں آتا)'' وغیرہ۔

ہے چند روزہ یہ عیش و طرب کا ہنگامہ
کبھی پلٹ کے جو آئے، یہ وہ بہار نہیں

دوسرے مصرع میں لفظ ''کبھی'' سے تواتر کا سراغ نہیں ملتا کہ موسموں کا سفر تواتر کے ساتھ ہوتا ہے۔ خزاں کے بعد بہار کا موسم آتا ہے، ہر سال آتا ہے اور عام طور پر ہر جگہ آتا ہے۔ بہ ہر حال، شاعر اس لفظ ''کبھی'' کو بھی ''تواتر'' کا متبادل جانتا ہے۔

چاندؔ کے مشاہدات میں ''خود کلامی'' کی روش ہے۔ یہ روش اسے کبھی اپنے گھر کی جانب اور کبھی معاشرہ/ زمانہ کی جانب لے جاتی ہے، مثلاً: ''(میں نے تمام عمر اپنوں سے فریب کھائے لیکن میرا ظرف دیکھئے کہ میں نے پھر بھی ان کا گلہ نہیں کیا/ جو جذب میرے قلب و نظر میں برسوں

کون روک پایا ہے اس کی حشر انگیزی؟
آندھیاں اٹھاتا ہے جب بھی دل مچلتا ہے !

کب سے اُس کے در پر ہم کر رہے ہیں فریادیں
دیکھتے ہیں وہ پتھر، کس گھڑی پگھلتا ہے !

بے چراغ محفل میں، ظلمتوں کے ڈیرے ہیں
کیا خبر اندھیرے میں کب چراغ جلتا ہے !

نفرتیں دلوں میں اور لب پہ امن کی باتیں
ابر میں گھرا سورج، چاند! کب نکلتا ہے !

غـــزل

ایک حسین سپنا تھا، آخر ٹوٹ گیا
تیرا دامن ہاتھ میں آکر چھوٹ گیا !

کتنے منظر اوجھل ہو گئے آنکھوں سے
جب بیٹی سے بابل کا گھر چھوٹ گیا

تم بھی اپنے عہدِ وفا کو بھول گئے
ایک بھرم تھا مجھ کو، وہ بھی ٹوٹ گیا

اک آوارہ بھنورا آیا گلشن میں
کومل کلیوں کا جوبن رس لُوٹ گیا

تم حق بات پہ اب کیوں برہم ہوتے ہو؟
اب تو تمہارے سچ کا بھانڈا پھوٹ گیا !

ٹھیس لگی تو چیخ اٹھی روحِ احساس
خار چبھے تو آبلہ دل کا پھوٹ گیا

طنز کے پتھر جب اپنوں نے برسائے
دل کا نازک شیشہ یکسر ٹوٹ گیا

اپنی اپنی ضد پر دونوں اَڑے رہے
اور یونہی برسوں کا رشتہ ٹوٹ گیا !

چاندؔ رفیقِ راہ بنے کچھ لوگ، مگر
اک اک کر کے ساتھ سبھی کا چھوٹ گیا

غـــزل

زباں کا پاس ہے تو قول سب نبھانے ہیں
اگر مکرنے پہ آؤں تو سو بہانے ہیں

تری نگاہ کے رستے سبھی نئے ہیں، مگر
ہمارے طور طریقے سبھی پرانے ہیں !

نہ راس آئی ہمیں آپ کی ادا کوئی
ستم ہے اس پہ بھی ہم آپ کے دِوانے ہیں !

یہ کیا کہ حوصلہ تم نے ابھی سے ہار دیا !
ابھی تو وقت نے کچھ اور گُل کِھلانے ہیں

سیاہ رات کی تاریکیاں بجا، لیکن
نویلی صبح کے منظر عجب سہانے ہیں

ہر ایک سمت بلاؤں کا اک ہجوم سا ہے
تمام حوصلے اب دل کو آزمانے ہیں

نیا تو کچھ بھی نہیں تیری داستاں میں چاندؔ !
وہی ہیں درد کے قصے، وہی فسانے ہیں

غـــزل

دیرپا نہیں کچھ بھی باغِ زندگانی میں
شاخ سے بچھڑتے ہیں پھول بھی جوانی میں

کتنے ہم سفر پائے، کتنے کھو دیے ہم نے
رہ گئیں فقط یادیں، عمر کی کہانی میں!

باہمی رفاقت ہو یا کہ آپسی رشتے
جاوداں نہیں کچھ بھی اس دیارِ فانی میں

بس وہی شناور ہی ساحل آشنا ہو گا
جو بھنور سے کھیلے گا بحرِ زندگانی میں

لطف جتنے فرمائے، اُتنے ہی وہ یاد آئے
تھا ستم کا پہلو بھی، ان کی مہربانی میں

عمر کی ڈھلانوں پر گام زن اکیلا ہوں
ڈھونڈتے ہو کیا یارو! اب مری کہانی میں؟

دُوریوں سے یادوں کے، نقش مِٹ نہیں جاتے
ماہتاب کو دیکھو، چاندؔ! گہرے پانی میں

غـــزل

ہمارے گھر میں لگائی ہے آگ جس نے وہ اب
ہمیں سے اپنے 'کرم' کا ثبوت مانگے ہے

اتار دے سرِ بازار باپ کی پگڑی
کچھ ایسا موقع خدا سے کپوت مانگے ہے

تقاضا خط میں ترے، صبر آزما ہے، ادھر
جوابِ نامہ ابھی تیرا دُوت مانگے ہے !

جو کات کات کے رکھتی ہے چاند میں بُڑھیا
سحر جب آئے ہے جبراً وہ سُوت مانگے ہے

ملے وطن کی حفاظت کی راہ میں جو، چاندؔ!
وہ موت، دیش کا سچا سپوت مانگے ہے

غـــزل

من کے سُونے آنگن میں جب کوئی اترتا ہے
تُو پلٹ کے آیا ہے، یہ گماں گزرتا ہے

انتہا بھی پنہاں ہے، ابتدا کے پہلو میں
صبح گل سمٹتا ہے، شام کو بکھرتا ہے

غم کے خارزاروں میں، ساتھ چھوڑنے والے!
آج بھی کوئی تیرا، انتظار کرتا ہے

اے حیاتِ غم خوردہ! حسن تیرے چہرے کا
آفتوں کے جھرمٹ میں، اور بھی نکھرتا ہے

یوں تو لوگ مطلب سے، میل جول رکھتے ہیں
پھر بھی باہمی رشتہ، کچھ نہ کچھ سنورتا ہے

اب کہاں وہ پہلی سی شرم ہے نگاہوں میں ؟
اب پرانی قدروں کی، قدر کون کرتا ہے ؟

کیا مہیب بادل ہیں، چار سُو فضاؤں میں
دیکھتے ہیں اب سورج کس گھڑی اُبھرتا ہے !

اک عجب کسک سی ہے، چاند! اب خدا معلوم
کب یہ دل سنبھلتا ہے، کب یہ زخم بھرتا ہے ؟

حصّۂ نظم

دیارِ غیر میں اے چاندؔ! جی نہیں لگتا
کوئی بھی رنگ ہو اپنا وطن ہے اپنا وطن

نذرِ حسینؑ

ے ''ہم نفس! تجھ کو سناؤں کربلا کی داستاں''

فاطمہؑ کا لعل، وہ حضرت علیؑ کا لاڈلا
وہ محمدؐ کا نواسہ، ہاں وہ شانِ کبریا
جانتے ہو؟ عازمِ پیکار وہ کیوں کر ہُوا؟
چاک کرنا تھا اسے پردہ فریب و مکر کا
موجزن تھا اس کے سینے میں یہی عزمِ جواں
''ہم نفس! تجھ کو سناؤں کربلا کی داستاں''

○

دہر میں روشن کیا جس نے اخوت کا چراغ
راستی، اخلاص، ایمان و صداقت کا چراغ
آشتی، امن و اماں، انس و محبت کا چراغ
مہر و الفت، شفقت و لطف و مسرت کا چراغ
آج بھی ہے جس کی خوشبو سے فضا، عنبر فشاں
''ہم نفس! تجھ کو سناؤں کربلا کی داستاں''

○

رہے، اب مجھے ان کا بھی انتظار نہیں/ اے رب! میں تیری عطاؤں کا شمار کرنے سے قاصر ہوں/ کوئی شخص مجھ سے میرا کردار مانگتا ہے گو میرے پاس اب اس کے سوا اور کچھ نہیں بچا/ مجھے یہ علم نہیں کہ میری خطا کیا ہے/ میرے کردار کی ساکھ بے داغ ہے/ اس در نے مجھے ہزاروں نعمتیں عطا کی ہیں، (سو) اب میں اس سے اور کیا مانگوں)'' وغیرہ۔

ہزار نعمتیں اس نے تجھے عطا کی ہیں
اب اور چاند! تُو اُس دَر سے مانگتا کیا ہے!

چاند کی لفظیات میں ایک طرف — ''جزا، سزا، عطا، کرم، وفا، صداقت، عفو، متاع'' وغیرہم شامل ہیں، تو دوسری جانب — ''جلن، گھٹن، کایا، پھلواری، مات، پتا، گھُٹالوں، بلونا، ابلا ناری'' وغیرہ ایسے الفاظ۔ وہ شعر کے مزاج سے مطابقت رکھنے والے الفاظ اس طرح چنتا ہے کہ بیان سجے اور زبان بنے۔

چاند کے اظہار بیان میں اِضافتی تراکیب، روایت کا دامن تھامے نظر آتی ہیں، مثلاً (نرگسِ بیمار، متاعِ غم، خونِ جگر، روایاتِ کہن، راہِ ہستی، سازِ وفا، وقتِ رخصت، عہدِ وفا، دستِ صبا، رنگِ حنا، حرفِ ملامت)'' وغیرہ اور وہ بعض اشعار میں خود کو روایت سے الگ رکھنے میں بھی کامیاب ہے، مثلاً: ''(طلبائے سخن، اربابِ سخن، حرفِ سخن)'' فرد کے نزدیک اس کی ہر خواہش ''جا'' ہوتی ہے، لیکن ''چاند'' اپنی ایک طلب کو ''خواہشِ بے جا'' کا نام دیتا ہے۔ یاد رہے کہ اس عمل میں پسپائی نہیں مؤدبانہ انکساری ہے کہ انکساری اس شاعر کے شخصی اور شعری مزاج کا ایک ناگزیر عنصر ہے — ''شکستِ ربط'' والی اضافتی ترکیب قاری کو چونکاتی ہے۔ ''ربط کے ضمن میں، لفظ ''ترک'' استعمال ہوتا ہے — یہ لفظ ''شکست'' کہاں سے وارد ہو گیا؟''

گئے دنوں کی رفاقت میں کس طرح بھولوں؟
شکستِ ربط کا الزام کس کے سر پہ دھروں؟

اس مطلع کا پہلا مصرع، رُکن ''فَع لُن'' پر ختم ہوتا ہے اور دوسرا مصرع رکن ''فَ عِ لُن'' پر۔ اس کی تقطیع یوں ہوگی — مَ فا عِ لُن، فَ عِ لاتُن، مَ فا عِ لُن، فَع لُن/ فَ عِ لُن/ بحرِ مُجتث مُثمن مخبون محذوف ابتر۔

جاہ و حشمت کی تمنا تھی نہ سیم و زر کی تھی
آرزوئے ملک گیری تھی نہ فکرِ منصبی
اس کا مسلک تھا امان و امن، صلح و دوستی
تقویٰ و زہد و عبادت میں لگا دی زندگی
صاحبِ کردار اس جیسا ملے گا اب کہاں ؟
''ہم نفس! تجھ کو سناؤں کربلا کی داستاں''

○

بھیج کر خط کوفہ والوں نے بلایا جب اسے
وہ فریبی تھے سبھی، اس کی خبر تھی کب اسے؟
اہل مکہّ روکتے ہی رہ گئے تھے سب اسے
بھا گیا تھا حق پہ مرمٹنے کا لیکن ڈھب اسے
جذبۂ شوق شہادت لے گیا اس کو کہاں!
''ہم نفس! تجھ کو سناؤں کربلا کی داستاں''

○

خیمۂ اطہر سے آئی ننھے اصغر کی صدا
پیاس کی شدت سے تھا اُس کا گلا سوکھا ہُوا
گود میں لے کر جو آئے اس کو سبطِ مصطفےٰ
آہ! پانی کے عوض اک تیر منہ پر آ لگا
جامِ کوثر سے ہوئی سیراب وہ ننھی سی جاں
''ہم نفس! تجھ کو سناؤں کربلا کی داستاں''

○

کھینچ کر تلوار پھر نکلا جو فرزندِ علیؑ
لشکرِ کفّار میں اک کھلبلی سی مچ گئی
سب فنونِ جنگ میں ماہر تھا جانِ حیدری
آہ! لیکن وار اکیلی جان کب تک جھیلتی؟
واصلِ جنت ہُوا آخر وہ میرِ کارواں
''ہم نفس! تجھ کو سناؤں کربلا کی داستاں''

○

پھونک ڈالا اپنا گھر کُل کی حفاظت کے لیے
سر کٹایا اپنا مِلّت کی بقا کے واسطے
سب دلوں کو اس نے جیتا جذبۂ ایثار سے
مِٹ گیا خود کہ وقار اسلام کا زندہ رہے

مرتے دم بھی تھا کلامِ پاک ہی وردِ زباں
''ہم نفس! اب کیا سناؤں کربلا کی داستاں''
اور کچھ کہنے کو اب باقی نہیں تاب و تواں !

○

قطعہ

(نذرِ سعدیؔ)

خدا کے جو رستے پہ چلتے ہیں لوگ
وہ دشمن کا دل بھی دُکھاتے نہیں
تمہیں کس طرح ہو یہ حاصل مقام ؟
کہ یاروں سے بھی تم نبھاتے نہیں !

سونامی لہریں اور خدائی قہر

(۲۶ر دسمبر ۲۰۰۴ء)

خدائی قہر تھا یا اُن کی بدنصیبی تھی !

وہ لاکھوں لوگ کہ جو موردِ عتاب ہوئے
پلک جھپکتے ہی بے بس جو غرقِ آب ہوئے
سزا ملی ہے انہیں آہ! کن گناہوں کی؟
بجھی ہے روشنی کیوں دفعتاً نگاہوں کی؟
خدائے پاک! یہ کیا ڈھب ہے تیری ہیبت کا؟
تو اپنی خلق کے اعمال دیکھتا ہے؟ بجا
تو کیا وہ سارے کے سارے تھے لوگ بداعمال؟
کیا ہے تو نے جنہیں اس عذاب سے پامال
ہزاروں بچے جو اس قہر میں یتیم ہوئے
گناہ و جرم سے بے چارے آشنا کب تھے؟
ہزاروں عورتیں وہ جن کے لُٹ گئے ہیں سہاگ!
ہزاروں کنبے جنہیں ڈس گیا سمُدری ناگ!
شکستہ حال تھے یکسر غموں سے چُور تھے وہ
یہی قصور تھا ان کا کہ بے قصور تھے وہ

○

زمانہ کہتا ہے یارب! تجھے رحیم و کریم
نہیں یہ اِذنِ قضا کیا ترے کرم سے عدیم ؟
کہ دم زدن میں غریبوں کے گھر اُجڑ جائیں
کہ بیٹے بیٹیاں، ماں باپ سے بچھڑ جائیں
ترے حضور میں کیوں اپنا سر جھکائے کوئی ؟
ترے وجود پہ کیوں کر یقین لائے کوئی ؟
ہر اک زبان پہ ہے، الاماں، دُہائی ہے
یہی ہے تیری خدائی تو کیا خدائی ہے ؟

○

یہ میری تلخ نوائی معاف ہو، یارب!
گلہ نہ تجھ سے کروں میں تو اور کس سے کروں؟
ہُوں شکوہ سنج مگر سر ہے تیرے دَر پہ نِگُوں
یہ التجا ہے کہ ان بے گھروں کی سُن فریاد
یہ جتنے بے سرو ساماں ہیں، خانماں برباد

پھر ایک بار اِنہیں حوصلہ دے، ہمت دے
نئے سرے سے اِنہیں زیست کی بشارت دے
نئی حیات کی خوشیاں ہوں پھر عطا اِن کو
دِیا ہے درد تو خود بخش اب دوا اِن کو

پھر اپنی شانِ کریمی دِکھا دے یا اللہ !
پھر اِن کے اُجڑے ہوئے گھر بسا دے یا اللہ !

نذرِ کروڑ*

مرے کروڑ کی پاکیزہ سر زمیں! تجھ کو
ترے دیار کا شاعر سلام کرتا ہے
جھکا کے اپنی جبینِ نیاز تیرے حضور
زبانِ شعر میں تجھ سے کلام کرتا ہے

○

تری زمیں پہ وِلادت کا ہے شرَف مجھ کو
تری فضاؤں سے رشتہ ہے میرے بچپن کا
ابھی تو بارہ بہاریں ہی میں نے دیکھی تھیں
کہ جھیلنا پڑا مجھ کو وطن کا بٹوارہ

○

خدائی قہر تھا یا کھیل تھا سیاست کا
یہ کم سنی مِری اُس وقت کچھ سمجھ نہ سکی
بڑا ہوا تو نیا وقت تھا، نئے حالات
مری نگاہ تری دید کو ترستی رہی

○

* (پاکستان میں میری جائے ولادت، کروڑلعل عیسن، ضلع لیہ)

نئے دیار میں جب جب ترا خیال آیا
تو ایک برق سی قلبِ حزیں پہ لہرائی
میں تجھ سے پوچھتا ہوں اے مرے عزیز وطن!
تجھے بھی کیا کبھی بچھڑے ہُوؤں کی یاد آئی ؟

○

نہیں، نہیں، نہیں، تو بھی ملول ہے اب تک
ہے تیرے دل میں بھی قائم ابھی مری تصویر
یہ تیری دید کی حسرت جو آج تک ہے جواں
تری فضاؤں کی جذب وکشش کی ہے تاثیر

○

وہ گھر، وہ کوچے، وہ گلیاں، وہ رہ گذار ترے
ہیں دل پہ نقش، اِنہیں کس طرح بھلاؤں میں؟
نصیب ہو ترا دیدار، بس دعا ہے یہی
جبیں پہ خاکِ مقدس تری، سجاؤں میں

○

مرے کروڑ کی پاکیزہ سرزمیں تجھ کو
ترے دیار کا شاعر سلام کرتا ہے
جھکا کے اپنی جبینِ نیاز تیرے حضور
زبانِ شعر میں تجھ سے کلام کرتا ہے

○

قطعہ

قدم قدم پہ بندھی آس، بندھ کے ٹوٹ گئی
رہِ حیات میں ایسا بھی اک مقام آیا
وفا و صدق کی دولت تھی اپنے پاس، مگر
پڑا جو وقت تو کچھ بھی نہ میرے کام آیا

اے وطن کے رہبرو!

یہ مندر اور یہ مسجد، تنازعہ کیسا ہے ؟
جُنوں سوار ہے کچھ سر پھروں کے ذہنوں میں
وگرنہ اِن میں تصادم کا مُدّعا کیا ہے ؟

○

گھُلی ہوئی ہے سیاست اُدھر جو ایماں میں
تو دھرم میں بھی ہے گھُس پیٹھ اِدھر کچھ ایسی ہی
یہ ریلیاں، یہ فسادات، نعرے اور جلوس
وطن کے رہبرو! آخر یہ کیا تماشا ہے ؟
پڑوسیوں کے جو مسکن جلا رہے ہو تم
یہ دشمنوں کا نہیں، قوم کا اثاثہ ہے

○

اِنہیں عوام نے تم کو ہے مرتبہ بخشا
ملا ہے تم کو جو منصب، اِنہیں کی برکت ہے
چُرا رہے ہو اب آنکھیں اِنہیں عوام سے تم
دیا تھا جس کا وچن، کیا یہی وہ خدمت ہے؟

○